قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ (رواہ البخاری)

سلسلہ

التبلیغ ۲۴

المسمّیٰ

وعظ ۱ الاسلام التحقیقی

وعظ ۲ آداب التبلیغ

منجملہ ارشادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

باہتمام نیاز الدین اصلاحی قاسمی غفرلہٗ

ادارہ فکر اسلامی دیوبند

فہرست مضامین التبلیغ ۲۴

ادادُ التبلیغ

اعلان

سلسلہ مجموعہ مواعظ التبلیغ انشاء اللہ تیس ۳۰ حصوں پر مکمل کر دیا جائے گا خصوصی پروگرام کی وجہ سے ایک سال میں صرف دو حصے پیش کئے جائیں گے خصوصی پروگرام میں شرکت کیلئے صرف پانچ روپیہ فیس ممبری بھیج کر کے خصوصی پروگرام کا خریداری نمبر حاصل کریں تفصیل اسی کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں فقط نیاز مند ۔ حبیب اللہ عفی عنہ

السّلاوم التحقیق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مصلیاً

این		مدرسہ سروٹ ضلع مظفر نگر
متیٰ		۱۲ شوال سنہ ھ یوم الجمعہ ۹ جون سنہ ۲۲ء
کم		شروع ۶ بجکر ۹ منٹ صبح ختم ۹ بجکر ۴۴ منٹ کل دو گھنٹہ ۳۵ منٹ
کیف		تخت کے اوپر ایک کرسی پر بیٹھکر بیان فرمایا
ماذا		ثمرات اسلام کامل
من ضبط		محمد مصطفی بجنوری مقیم میرٹھ محلہ کرم علی
المستمعون		دو سو پچاس ۲۵۰
الانتشارات		

خطبہ

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام ومن یرد ان
یضلہ یجعل صدرہٗ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک
یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون وھذا صراط ربک
مستقیما قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون لھم دار السلام
عند ربھم وھو ولیھم بما کانوا یعملون ط۔

سو جسکو اللہ تعالیٰ رستہ پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتے ہیں۔ اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔ اور یہی تیرے رب کا سیدھا رستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنیوالوں کے لئے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے ان کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے ۱۲) یہ آیتیں جن کی تلاوت کی گئی ہے۔ اس وقت ان میں سے آخیر آیت کا بیان مقصود ہے۔ اوّل کی آیتیں محض ربط کے واسطے پڑھی گئی ہیں۔ کیونکہ ان کو مقصود کی توضیح اور تعیین میں دخل تھا۔ پیر سوں کے بیان میں اسلام کی حقیقت اور اسلام حقیقی کی ترغیب دی گئی تھی۔ اور اس کے متعلق مفصل کلام کیا گیا تھا۔ ایک ذریعہ ترغیب کا

ع‌ہ یہ وعظ مظفر نگر شہر میں آیت قل ان صلوتی ونسکی الآیہ کا ہوا تھا۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ مقصود کا ثمرہ بیان کیا جاوے۔ اس کے سننے سے اور اطلاع ہونے سے رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ جہاں اسلام کا بیان کیا گیا وہاں اس کا ثمرہ بھی بیان ہوتا کہ رغبت اسلام حقیقی کی پیدا ہو اور اس آیت میں وہ ثمرہ مذکور ہے اس واسطے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا گیا۔ اور وہ ثمرہ اخیر کی آیت میں ہے تو مقصود بالذات وہ ہی اخیر کی آیت ہوئی۔ اور پہلی دو آیتیں اسواسطے تلاوت کی گئیں کہ معلوم ہو کہ اس اخیر آیت میں جو ثمرہ مذکور ہے وہ اسلام کا ہی ہے۔ پہلی آیت میں تو اسلام کا لفظ ہی موجود ہے اور دوسری آیت میں اسلام کا لقب صراط مستقیم ہے۔ اور تیسری یا اخیر کی آیت ہے جو اس وقت مقصود بالبیان ہے۔ اس میں ثمرہ مذکور ہے۔ پہلی آیت یہ ہے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ الخ اس میں صریح لفظ اسلام موجود ہے۔ اور دوسری آیت یہ ہے وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا۔ ہذا اسم اشارہ ہے اس کے لئے مشارٌ الیہ چاہیئے وہ مشارٌ الیہ یہاں سوائے اسلام کے کچھ نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو اسلام ہے صراط مستقیم ہے۔ ایک جگہ اسکو اسلام کہا گیا دوسری جگہ صراط مستقیم۔ اسلام اسکا اسم ہے۔ اور صراط مستقیم لقب۔ تو اسم بھی مذکور ہوا اور لقب بھی۔ دو آیتوں میں تو یہ ہوا اور بعد میں تیسری آیت میں تفریع[1] کے طور پر نتیجہ بیان

[1] کسی چیز کا نتیجہ بیان کرنا ۱۲

کہا گیا - وہ تیسری آیت یہ ہے - لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ - اسمیں ضمیریں جمع کی ہیں جو راجع ہیں مَن کی طرف من گو لفظاً مفرد ہے مگر معنیً جمع ہے. لہذا جمع کی ضمیر اس کی طرف پھیرنا جائز ہے. جیسا کہ نحو جاننے والے سمجھتے ہونگے حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جسکو ہدایت کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس کو اسلام کے متعلق شرح صدر دے دیتے ہیں - اور دوسرے جملہ میں اسکا مقابل مذکور ہے کہ جسکو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے اسکے سینہ کو تنگ کر دیتے ہیں کہ اسلام کے متعلق اس کو اطمینان نہیں ہوتا - اور اس حالت کو رجس فرمایا ہے اور اسلام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ ہے - اور اس سب کے بعد نتیجہ بیان فرمایا لہم دار السلام یعنی جو لوگ اس امر کے مصداق ہیں یعنی جن کے ساتھ حق تعالیٰ کا ارادہ اچھا ہے اور ان کو ہدایت کی گئی ہے ان کے واسطے دار السلام ہے - مجھے اسوقت مقصود اسی نتیجہ کا بیان کرنا ہے - اور باقی آیتوں کا ترجمہ اور جو کچھ بیان ہوا وہ ارتباط عبارت کیلئے تمہید تھی مقصود میں اسکو کچھ زیادہ دخل نہیں - اسی واسطے اس تمہید کا عنوان طالبعلمانہ بیان ہوا جو غالباً عام فہم نہ ہوگا - اس کی تمہید کی ضرورت یہ ہے کہ آگے چل کر مقصود کی توضیح اچھی طرح ہو سکے -

لہ - پھٹکار -

ایک عام غلطی کا ازالہ

اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید میں تناسق اور ارتباط[1] ہے اور یہ بہت ظاہر ہے۔ گو وہ ارتباط ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیتوں میں باہم ربط نہیں ہے ابھی ایک آیت میں کچھ بیان ہے۔ اور ابھی دوسری میں کچھ بیان ہونے لگا۔ یہ خیال غلط ہے۔ قرآن کی آیات اور الفاظ میں ایسا ربط ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہو سکتا اور کیسے نہ ہو قرآن تمام کتابوں اور کلاموں پر بلاغت میں فوقیت رکھتا ہے اور کلام میں یہ بڑا عیب ہوتا ہے کہ بے جوڑ ہو ایک معمولی کلام میں بھی یہ عیب نہ ہونا چاہیئے چہ جائیکہ قرآن جیسے ابلغ الکلام[2] میں۔ اس ارتباط ہی کے بیان کے لئے اوپر کی آیتیں پڑھی گئیں۔ اب اصل مقصود بیان کیا جاتا ہے اور وہ ثمرہ ہے اسلام کا، وہ ثمرہ کیا ہے۔ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ میں اول ترجمہ کئے دیتا ہوں جس سے اجمالاً مقصود معلوم ہو جائے گا۔ ترجمہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کے لئے سلامتی کا گھر ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاس ایک ثمرہ تو یہ ہوا۔ اور دوسرا ثمرہ دوسرے جملہ میں ہے۔ اور دونوں کا حاصل ایک ہی[3] ہے یا یوں کہا جاوے کہ ایک نہیں ہے۔ مگر دونوں متلازم ہیں اور وہ یہ ہے۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی حق تعالیٰ کو اُن سے علاقہ محبت کا ہے۔ اُن اعمال کی وجہ سے

[1] آیات میں باہم تعلقات ۱۲ [2] سب کلاموں سے زیادہ بلیغ ۱۲ [3] تسامح ۱۲

جن کو وہ کیا کرتے تھے دنیا میں یہ ترجمہ ہوا۔ اس میں دو بشارتیں ہیں اسلام والوں کے لئے ایک سلامتی کا گھر ملنا اور ایک یہ کہ اللہ جل جلالہٗ کو ان سے علاقہ محبت کا ہے

ایک تحقیق انیق

غور سے دیکھا جاوے تو ان دونوں ثمروں کا حاصل ایک ہی ہے۔ کیونکہ مقصود کا حاصل دو امر ہوتے ہیں ایک مضرات سے اور دوسرا منافع کا حاصل ہونا۔ چنانچہ ساری دنیا کی کوشش کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جاوے اور راحت کو حاصل کیا جاوے۔ ہر کام میں یہی قاعدہ ہے۔ تجارت میں، زراعت میں، نوکری میں۔ سب میں دو باتیں حاصل کیجاتی ہیں تجارت میں آدمی یہ ہی چاہتا ہے کہ مجھکو کوئی نقصان نہ پہونچے راس[1] المال محفوظ رہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ یہ مضرت سے بچنا ہوا۔ اور اس کے محفوظ رہنے کے ساتھ کچھ مال بڑھ جاوے یہ منفعت کا حاصل ہونا ہوا۔ علیٰ ہذا زراعت میں بھی یہ دو باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ بیج ڈالا جاتا ہے اس غرض سے کہ اتنا یہ ہمکو لوٹ کر ملجاوے یہ تلف[2] نہ ہو جائے یہ دفع مضرت ہے۔ اور اس تخم کے ساتھ کچھ اور بھی پیدا ہو جائے۔ یہ حصول منفعت ہے۔ ایسے ہی نوکری میں ہے کہ یہی کوشش کیجاتی ہے کہ کچھ آمدنی

---

[1] اصل مال ۱۲۔ [2] ضائع ۱۲

ہو اور تنگدستی کی تکالیف دور ہوں یہ دفع مضرت ہے اور عیش و آرام سے بسر ہو یہ حصول منفعت ہے۔ غرض جس کام میں بھی آپ غور کریں گے تو مقصود کا حاصل یہی دو امر ملیں گے دفع مضرت اور حصول منفعت بنابریں اسلام کا حاصل بھی یہی دو امر ہوں گے، دفع مضرت اور حصول راحت ان دونوں کو ایک بھی کہہ سکتے ہیں اسطرح کہ مقصود کے دونوں جز ہیں دونوں ملکر مقصود پورا ہوتا ہے اور ان کو دو بھی کہا جائے تو صحیح ہے کیونکہ دو چیزیں تو ہیں ہی مگر قصد میں دونوں متلازم ہیں اس وجہ سے کہ دونوں کا قصد کیا جاتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ایک کا قصد کیا جائے اور ایک کا نہ کیا جائے غرض ایک کہو دونوں کو یا دو کہو اور دونوں کو متلازم کہو یہ ہی ثمرے ہوتے ہیں ہر کام کے چنانچہ اسلام کے ثمرے بھی یہی دو ہیں۔ دفع مضرت۔ اور حصول راحت لفظ سلام میں اشارہ ہے اوّل کیطرف یعنی ان سے تمام تکالیف دور ہو جائیں گی اور لفظ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ میں اشارہ ہے دوسرے کی طرف۔ یعنی ان کو راحت حاصل ہوگی یہ حاصل ہے دونوں ثمروں کا۔ اس سے وجہ معلوم ہوگئی دونوں آیتوں کے پڑھنے کی۔ وہ وجہ یہ ہے کہ دونوں میں اسلام کے ثمرے مذکور ہیں۔ اور اسی کا بیان اس وقت مقصود ہے۔ پہلے بیان میں اسلام کامل کی حقیقت بتلائی گئی تھی۔ اور آج اسلام کامل کا ثمرہ بتایا جائیگا۔ اس ثمرہ کا بیان آیت میں اسطرح سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمرہ

علی وجہ الکمال حاصل ہوگا۔ دفع مضرت ہوگا تو اسطرح کہ کوئی مضرت باقی نہ رہے گی اور حصول راحت ہوگا تو وہ بھی اسطرح کہ کوئی راحت چھوٹ نہ جائے گی۔ اس آیت میں ایسے الفاظ اور قرائن موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمرہ کامل حاصل ہوگا مثلاً یہ کہ دو ثمرے حق تعالیٰ نے بیان فرمائے۔ اور یہ دو ثمرے ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی ثمرہ ہوہی نہیں سکتا اسواسطے کہ کسی کام سے دو ہی چیز مقصود ہوتی ہیں۔ دفع مضرت اور حصول راحت اور ان دونوں کا اسمیں ذکر ہے اور ان کے سوا اور کوئی ثمرہ ہوتا نہیں تو حاصل یہی تو ہوا کہ پورا ثمرہ ملے گا اور کوئی ثمرہ ایسا نہ رہیگا جو نہ ملے کیونکہ ثمرہ کے دو ہی فرد ہیں اور دونوں حاصل ہوئے تو اور کیا باقی رہا اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کی نسبت کہا جائے کہ اس کے پاس سونا بھی ہے اور چاندی بھی ہے۔ اور قیمتی مال کے فرد یہی دو ہوں تو اسکا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے اور کوئی فرد مال کا ایسا نہیں رہا جو اس کے پاس نہو علی ہذا جب ثمرہ کے فرد یہی دو ہیں۔ اور دونوں کے حصول کو ظاہر کردیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کوئی ثمرہ ایسا نہیں رہا جو ان کو حاصل نہ ہو معلوم ہوا کہ جسکو اسلام حاصل ہے اسکو ایسے ثمرات آخرت میں ملیں گے کہ کوئی ثمرہ ان سے باہر نہ ہوگا اور واقعی آخرت ایسی جگہ ہے جہاں کسی بات کی کمی نہیں بس خدا تعالیٰ

اسلام نصیب فرماویں اور اس پر خاتمہ کر دیں پھر وہاں کسی بات کی کمی نہیں

ایک طالبعلمانہ شبہ کا جواب

اب یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال ہوتا ہے کہ دعوی کیا گیا کہ آخرت میں اہل اسلام کو ثمرات کامل عطا ہوں گے کوئی مضرت باقی نہ رہے گی اور کوئی راحت نہ چھوٹے گی اور یہ بات مسلم ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے درجات بھی مختلف ہوں گے کوئی اعلیٰ درجہ کا جنتی ہوگا اور کم درجہ کا تو اگر یہ بات ہے کہ وہاں کے ثمرات میں کسی قسم کا نقصان نہیں تو لازم آئے گا کہ کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنی نہ ہو بلکہ سب کے درجات کامل ہی ہوں حالانکہ فرق مراتب ہوگا اور فرق مراتب کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ ایک کے پاس کوئی شے زاید ہے اور ایک کے پاس کم جس کے پاس کم ہے اس کا ثمرہ ناقص ہوا یہ اشکال ہے۔ اس کا جواب سنئے پہلے ایک مقدمہ سن لیجئے وہ یہ ہے کہ دو عالم ہیں دنیا اور آخرت ان دونوں میں نسبت کیا ہے۔ حدیث میں انکی نسبت ایک مثال کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے

دنیا و آخرت میں نسبت

وہ یہ ہے کہ اگر ایک انگلی سمندر میں ڈالی جائے تو اسمیں کچھ پانی سمندر کا لگ جائے گا۔ جو نسبت اس انگلی میں لگ جانے والے پانی کو

سمندر کے پانی کے ساتھ ہے۔ یہی نسبت دنیا کو آخرت کے ساتھ
ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ کیا نسبت ہے
کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر اس کا حساب لگا دیں تو سیکڑوں برس چاہیں
مثلاً وہ پانی ایک رتی بھر ہے تو سمندر کے پانی میں سے رتی رتی بھر
الگ کیا جائے تب دونوں کی نسبت معلوم ہو ظاہر ہے کہ اس کے
لئے عمر نوح بھی کافی نہیں ہو سکتی اللہ اکبر سمندر کس قدر بڑی چیز ہے
کہ اس نے تمام عالم کو گھیر رکھا ہے دریا کے سفر کرنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ خشکی کا حصہ بہت کم ہے اور تری کا حصہ بہت زیادہ ہے۔
پیمائش کرنے والوں نے ثابت کیا ہے کہ تین حصے دنیا کو سمندر نے
گھیر رکھا ہے۔ اور ایک حصہ خشکی ہے یہ تو پھیلاؤ ہے پھر گہرائی
اس قدر کہ اکثر جگہ کئی کئی میل ہے تو اتنے بڑے پانی کو خیال کیجئے
اس میں سے اگر ایک رتی الگ کی جائے تو صدہا برس چاہییں
آپ نے اندازہ کر لیا کہ اس انگلی میں لگے ہوئے پانی کو سمندر کے
پانی کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ تو فرماتے ہیں یہی نسبت ہے دنیا کو
آخرت کے ساتھ اور یہ مثال بھی ہمارے سمجھانے کے واسطے ہے
ورنہ حقیقت میں صرف تخمینی ہے۔ اور دنیا کو آخرت کے ساتھ یہ
نسبت بھی نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ وہ انگلی میں لگا ہوا پانی گو کتنا
ہی قلیل اور لاشے ہے اور سمندر کے پانی کے سامنے کالعدم ہے
مگر پھر بھی سمندر کا پانی اور یہ پانی ہیں تو دونوں متناہی اگر کوئی

محنت کرے اور رتی رتی بھر پانی کو الگ کرے تو عقل اس بات کو مانتی ہے کہ سمندر کا پانی اس تجزیہ سے کسی نہ کسی دن ختم ضرور ہو جاوے گا اور کچھ نہ کچھ نسبت اُس پانی کو اس پانی کے ساتھ ضرور نکلے گی چاہے وہ کتنی ہی کم سے کم ہو بخلاف دنیا اور آخرت کے کہ ان دونوں میں نسبت متناہی اور لا متناہی کی ہے کہ دنیا ختم ہو جانے والی ہے۔ اور آخرت کبھی ختم ہو جانے والی نہیں اہل حق کا عقیدہ ہے کہ دنیا ایک دن ختم ہو جاوے گی۔ البتہ اہل باطل نے کہا ہے کہ دنیا ابدی ہے مگر اہل حق کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور آخرت اہل حق کے نزدیک ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی ہر چند کہ طول عرض مکانی آخرت کا بھی متناہی ہے۔ مگر اس کے بقاء زمانی کی کوئی حد نہیں نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے خٰلِدِیْنَ فرمایا ہے۔ اور اَبَدًا فرمایا ہے جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہاں فنا نہیں اس کے سوا اور نصوص بالکل صاف صاف اس مضمون کے موجود ہیں غرض کہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے۔ کہ دُنیا کے بعد پھر فنا نہیں نہ جنت کو نہ دوزخ کو یہ مقدمہ ہوا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی کوئی چیز بھی فانی نہیں تو شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ اہل جنت میں فرق مراتب ہوگا مگر ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا اور غیر فانی ہوگا

ملہ ایک حد پر ٹھہر جانے والے ۱۲ ملہ کسی حد پر نہ ٹھہرنے والی ۱۲

ادنی اور اعلیٰ میں فرق ہوگا مگر ادنی بھی ایسا ہوگا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ اور تَلَذُّ الْأَعْيُنُ اس پر صادق ہوگا تو ہر شخص کیلئے ثمرہ کامل ہونے کے یہ معنیٰ ہوئے کہ ادنی جنتی کو بھی وہ چیز ملے گی، جو وہ چاہے مگر وہ چاہے گا وہی جو اس کے مرتبہ کی موافق ہو اور اس درجہ میں بھی وہ چیزیں ہوں گی جو اس دنیا اور ہزار دنیا سے بہتر ہوں گی اس اعتبار سے بھی کہ دنیا کی چیزوں سے اور ان سے کچھ نسبت ہی نہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ دنیا کی چیزیں فانی ہیں اور وہ فانی نہیں اور اسی واسطے اسکو خَيْرٌ اور اَبْقٰى کہا گیا ہے جب یہ ہے تو ان میں باہم فرق ناقص وکامل کا نہ ہوگا بلکہ کامل اور اکمل کا ہوگا پس اشکال کا جواب ہوگیا اور گو آخرت کے دو حصے ہیں ایک تکلیف کا اور ایک راحت کا یعنی جنت اور دوزخ اور دونوں باقی رہنے والے تو ہیں فانی ایک بھی نہیں۔ مگر خَيْرٌ تو دونوں کو نہیں کہہ سکتے۔ پھر خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى کے کیا معنیٰ سو سمجھیے یہاں صرف ایک حصہ کا بیان کرنا ہے یعنی جنت کا۔ اور حق تعالیٰ نے بھی اکثر جگہ لفظ آخرت سے یہی مراد لی ہے چنانچہ فرمایا ہے وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لفظ خَيْرٌ بتلا رہا ہے کہ آخرت سے ایک ہی حصہ یعنی جنت مراد ہے کیونکہ دوسرا حصہ یعنی دوزخ تو خَيْرٌ ہے ہی نہیں اسطرح بہت جگہ لفظ آخرت آیا ہے۔ اور مراد اس سے صرف جنت ہے اب خَيْرٌ اور اَبْقٰى کے معنیٰ بھی سمجھ لینا مناسب ہے سو یہ بھی خیال کر لینے کی بات ہے کہ آخرت

کے لئے الفی سے مراد تو خلود ہے۔ یعنی کبھی ختم ہی نہ ہوگی اور خیر سے
مراد یہ ہے کہ ہر چیز وہاں کی دنیا کی چیزوں کے بہ نسبت بدرجہا اچھی ہی ہوئے

نعما دنیا و آخرت میں اشتراک لفظی ہے نہ حقیقی

گو نام وہاں کی چیزوں کے دنیا کی چیزوں کے سے ہیں مگر ان سے اُن سے کچھ نسبت ہی نہیں مثلاً آیا ہے ،
فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ یعنی جنت میں میوے ہوں گے اور کھجور
کے درخت ہوں گے اور انار ہوں گے اور آیا ہے۔ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن
مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ یعنی پانی کی نہریں ہوں گی اور شراب کی نہریں ہونگی
نام ان سب چیزوں کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں۔ مگر وہ چیزیں
دنیا کی سی نہیں ہیں نہ وہاں کا میوہ دنیا کا سا میوہ ہے اور نہ وہاں کی
کھجور دنیا کی سی کھجور ہے اور نہ وہاں کا انار دنیا کا سا انار ہے اور نہ
وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی ہے۔ چنانچہ اس کی صفت فرمائی غَيْرِ آسِنٍ
یعنی خراب نہ ہونے والا دنیا کا پانی تھوڑے عرصے میں متغیر ہو جاتا ہی
اور وہ کبھی متغیر نہ ہوگا اور نہ وہاں کا دودھ دنیا کا سا دودھ ہے۔
چنانچہ فرمایا ہے وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ یعنی اس دودھ کا مزہ
نہ بدلا ہوگا دنیا کا دودھ باسی ہونے سے بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اور
وہاں کا دودھ ہزاروں برس گذرنے سے بھی ویسا ہی رہیگا او۔ نہ
وہاں کی شراب دنیا کی سی شراب ہے وہاں کی شراب وہ ہے
جسکو دنیا میں کسی نے دیکھا ہی نہیں دنیا کی شراب ناپاک ہے اور

بدمزہ ہے۔ اور وہ شراب بدمزہ نہیں بلکہ لَذَّۃٍ لِّلشَّارِبِیْنَ اس کی صفت ہے اور طہور ہے

صفت شراب طہور طہور صیغہ مبالغہ کا ہے یعنی بہت پاک کرنے والی کہ سینہ اور روح کو پاک وصاف کردے گی دنیا کی شراب نشہ لاتی ہے اور حواس اور عقل کو مکدر کرتی ہے اور وہ نشہ نہیں لاتی ہے اور حواس اور عقل کو اور زیادہ صاف کرنیوالی ہے۔ حق تعالیٰ نے اسکو صرف طاہر ہی نہیں فرمایا بلکہ طہور فرمایا یعنی مُطَہِّر یعنی دوسری چیز کو بھی پاک کردینے والی اس سے اس کا خود طاہر ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ جو چیز دوسرے کو پاک کرتی ہے وہ خود ضرور پاک ہوگی غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے سوائے شرکت اسمی[1] کے کچھ نسبت نہیں جن پھلوں کے نام آئے ہیں دنیا میں گو وہ پھل موجود ہیں مگر وہاں کے پھلوں سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے اسی طرح وہاں عورتیں بھی ہیں جنکو حُور عین فرمایا گیا ہے۔ ایسی عورتیں اس عالم میں کہیں بھی موجود نہیں غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے کچھ مشابہت نہیں یہ حقیقت ہے چیز کی یہاں ایک اور مضمون ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں جیسے دنیا کی چیزوں میں ہی فرق ہوتا ہے ایک میلا پانی اور ایک

[1] یعنی نام میں شرکت

صاف ستھرا اچھا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے صرف وصف ہیں فرق ہے بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورۃً یا کسی معنی کر تو فلاں دنیا کی چیز کو ہے اس لحاظ سے اس کے اوپر اس کا نام اطلاق کر دیا مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود ہے اور اس کے افراد میں سے بھی موجود ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورۃً ایک سے جاویں۔ یہ مضمون ابن عباس رضی سے بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جنکا خیال بھی نہیں آسکتا بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے وہ یہ ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی اور نہ کبھی ہم نے پہلے

میں پیدا ہوئیں ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اسقدر مغایرت[1] ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہونچ سکتا اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں۔ وہاں کا انار دنیا کا سا انار نہیں ہے۔ وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور نہیں ہے وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ وہاں کے انار کو دنیا کے پھلوں میں سے کسی پھل سے اگر کچھ مشابہت ہے تو انار سے ہے اس واسطے اس کو انار کہا گیا ورنہ وہ ایسی چیز ہے جسکی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی علیٰ ہذا وہاں کے پانی کا نام بھی پانی ہے اس معنی کر کہ اگر کسی چیز سے اسکو مشابہت ہے تو پانی سے ہے اس واسطے اسکو پانی فرمادیا باقی خدا جانے کیا ہے حقیقت پینے ہی سے معلوم ہوگی آیات میں بعض جگہ یہ مضمون بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے

جنت کے برتنوں کی صفت

مثلاً ان کے برتنوں کی نسبت آیا ہے کانت قواریرا یعنی وہ برتن شفاف ہوں گے، جیسے بلور کے برتن کہ ادہر کی چیز ادھر سے نظر آئے گی اور اس سے آگے فرمایا ہے قواریر من فضة یعنی وہ شفاف برتن چاندی کے ہوں گے ان کو قواریر بھی فرماتے جاتے ہیں۔ اور فضة بھی فرماتے جاتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ برتن

[1] فرق ۱۲۔

ہوں گے تو چاندی کے مگر شفاف ہوں گے مثل شیشہ کے تو شفاف چیز واقع میں چاندی کہاں ہوئی دنیا میں کون سی چاندی ایسی صاف ہے عمدہ سے عمدہ چاندی اینٹ کی مانی جاتی ہے مگر شفاف وہ بھی نہیں اور وہاں کی چاندی ایسی ہوگی جسمیں نظر آر پار ہوجائے گی اس سے یہ ثابت ہوا کہ بس نام چاندی کا ہے اور حقیقت کچھ اور ہے چاندی اسکو اس وجہ سے کہدیا ہے کہ دنیا کے اگر کسی جسم سے اسکو مشابہت ہے تو چاندی کے ساتھ ہے۔

حور کی صفت

اور مثلاً وہاں کی حوریں ہیں جو حور کہلاتی ہیں انکا نام سُن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج و چاند ماند ہوجائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہوگا اس کا حسن تو وہم و گمان سے بھی باہر ہے چنانچہ حدیث میں ان کے حُسن کی نسبت آیا ہے۔ یُریٰ مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ لُحُوْمِهِنَّ یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہوگا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آئے گا یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے۔ کیونکہ حدیث

میں آچکی ہے قرآن وحدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا بلکہ سچی اور سیدھی سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں جو واقع میں ایسی ہی ہوگی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہوسکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے نرخرے کی ہڈیاں ہیں۔ ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ انمیں سے کوئی بھی حاجب[1] نہ ہو ایک جلد[2] ہی تو مانع نظر کو روکنے کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہر حال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہوگی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گذری،

حوروں کے متعلق عوام کی غلطی

اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا ہے اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہ تمسخر گھوسنو سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی نعوذ باللہ بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد

[1] روکنے والا ۱۲ [2] کھال ۱۲

کا ہے اسی لئے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جسکو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گھوسنوں تک ان کا ذہن پہونچا

ایک مہمل کتاب

اس قیاس الغائب علی الشاہد[1] پہ یاد آیا کہ کانپور میں ایک شخص کے گھر میں ایک قلمی کتاب تاریخی تھی اس کا نام خاور نامہ تھا اس میں ہر واقعہ کے متعلق تصویریں تھی۔ حتیٰ کہ معراج کا بیان تھا تو اسمیں بھی تصویریں تھیں کہ یوں حضورؐ کے پاس فرشتے آئے اور یوں آسمان پر لے گئے اور یوں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور یوں جبرئیل ساتھ تھے اور یوں میکائیل ساتھ تھے اور یوں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور یوں جنت دیکھی اور یوں دوزخ دیکھا اور ان سب کی تصویریں۔ یہ خبط ہو گیا ہے لوگوں کو اول تو تصویر بنانا ویسے ہی منع ہے پھر ایسی مقدس ذاتوں کی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اس میں مصلحت یہ بیان کی جاتی ہے کہ قصہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے اس طرح کہ خبر کے ساتھ واقعہ کی صورت بھی پیش نظر ہو سبحان اللہ کیسی شاندار مصلحت ہے کس درجہ بے باکی اور جرأت کی بات ہے کہ اس مہمل مصلحت کے لئے ممانعت شرعی کا لحاظ نہ کیا جاوے یوں تو کوئی کام بھی کسی نہ کسی مصلحت سے خالی نہیں حتیٰ کہ چوری ڈاکہ

[1] غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ۱۲

زنا سب میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور فائدہ ضرور ہے مثلاً کم سے کم کرنے والے کا دل خوش ہونا۔ تو چاہیئے کہ اس مصلحت کے لیئے ان افعال سے بھی باز نہ رہا جائے اور منع نہ کیا جائے۔ خیر یہ تو تشریعی غلطی ہے مگر ایک حسی غلطی یہ ہے کہ ان سے کوئی پوچھے کہ یہ تصویریں بنائیں کیسے جس چیز کو دیکھا نہیں اس کی صورت کیسے قائم کی اسکی بنا وہی قیاس الغائب علی الشاہد ہے۔

ایک فقہ کی باتصویر کتاب

یہ خبط[1] پہلے بھی تھا لوگوں کو مگر اب زیادہ ہے اب اس میں اس قدر وسعت کی گئی ہے کہ ایک فقہ کی کتاب میں بھی تصویریں چھاپی ہیں وضو کا بیان تھا تو اسمیں تصویر رکھی کہ یوں بیٹھو اور یوں لوٹا رکھو۔ نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویر بنادی کہ یوں ہاتھ باندھ کھڑے ہو یوں رکوع میں جاؤ یوں سجدہ کرو یوں بیٹھو۔ جنازہ کی نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویریں بنادیں کہ ایک چارپائی پر مردہ رکھا ہوا ہے اور اس کے مقابل امام اور مقتدی صف باندھے کھڑے ہیں کیا خرافات ہے اگر یہی بات ہے کہ بلا تصویر بنائے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو اپنے پاخانہ پھرنے کی تصویر بھی بنا کر رکھو تاکہ لڑکے اور بچے اس کو دیکھ کر پاخانہ پھرنا سیکھیں۔ حضرت ایں ہمہ[2] از پئے آن است کہ زر میخواہد

[1] بیہودگی ۱۲ [2] یہ سب اس وجہ سے کہ مال مطلوب ہے ۱۲

حُبِّ مال اور کمائی کے شوق نے یہ نوبت پہونچائی ہے روپیہ حاصل ہو خواہ جائز طریق ہو یا ناجائز طریق سے۔ دنیا حاصل ہو۔ خواہ دین رہے یا نہ رہے دین کی کتابیں اور قرآن بھی چھاپے جاتے ہیں تو دنیا کے لیئے بس دنیا ہی دنیا رہ گئی۔ کسی سے مشورہ تک بھی نہیں کرتے کہ یہ طریقہ کمانے کا حلال ہے یا حرام بس ذرا سی مصلحت ذہن میں آئی اور اس کام کو کر ڈالا تصویریں اتنی سی مصلحت سمجھ کر کہ واقعہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ بنانا شروع کر دیا اس کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا کہ شریعت اس کے متعلق کیا کہتی ہے۔ اور اب تو یہ جرأت ہوئی ہے کہ تصویروں کے بنانے کو حلال بھی کہنے لگے تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ ہی نہ رہے کیونکہ ایک فعل کریں اور ناجائز سمجھیں تو کبھی نہ کبھی یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید خوف خدا آجاوے اور اس کام سے دل رک جاوے اس واسطے یہ قصہ ہی بیچ میں سے اڑا دیا کہ تصویر حرام ہے بس اب کچھ رکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی صاحبو! جو چاہے سو کیجئے لیکن یہ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ کے حلال کرنے سے کوئی حرام چیز حلال ہو نہیں سکتی غرض اس کتاب خاور نامہ میں ملائکہ تک کی تصویریں تھیں جن کے پر بھی لگائے تھے اور تماشا یہ کہ فرشتے پان بھی کھائے ہوئے تھے نہ معلوم کون سے تنبولی کے پان ہوں گے یہ وہی قیاس الغائب علی الشاہد کی خرابی ہے خاور نامہ کے مصنف صاحب پان زیادہ کھاتے ہوں گے اس

واسطے ملائکہ کی تصویریں بناتے وقت ان کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے بازو کھلادئے یہ سب قصے تھے قیاس الغائب علی الشاہد کے اسی بنا پر حوروں کو دنیا کی عورتوں پر اور ان کے لباس کو دنیا کے لباس پر قیاس کر گئے یوں سمجھا ہوگا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ حور کا کپڑا دنیا میں لٹکا دیں تو چاند اور سورج کی روشنی ماند ہو جائے یہ مبالغہ ہوگا لیکن فی الواقع اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے بلکہ معنی حقیقی مراد ہیں کہ وہ کپڑے ایسے ہی ہیں اسی طرح ان کے جسم کی نسبت جو تصریح ہے یری مخ سوقہن من وراءھن اس کو بھی مبالغہ پر محمول کیا ہوگا حالانکہ یہ بھی معنی حقیقی پر محمول ہے ان کا جسم واقع میں ایسا ہی ہے کہ اندر سے ہڈیوں کا گودا نظر آتا ہے اب دیکھ لیجئے کہ دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے یہاں کوئی کپڑا ایسا نہیں جس میں ذاتی چمک ہو بلکہ اسکی کوئی چیز منور سے منور (روشن) لیجئے وہ بھی اپنی ذات سے منور نہیں اس میں جو کچھ چمک دمک اور نور دکھائی دیتا ہے وہ درحقیقت اس کا نور نہیں بلکہ شمس و قمر کا نور ہوتا ہے کہ اس چیز میں منعکس ہو کر نظر آتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی منور چیز کو اندھیرے میں رکھ دیجئے جہاں آفتاب کی شعاع نہ پہونچے دیکھئے گا کچھ بھی نہیں رہے گا نہ چمک نہ نور تو دنیا میں کوئی نظیر ایسے کپڑے کی نہیں ملتی کہ وہ بالذات منور ہو اور نور بھی کیسا جو شمس و قمر کے نور کو

مانند کر دے سو حسین کے کپڑے کی یہ حالت ہو اس کی ذات کی کیا حالت ہوگی پس ایسی عورت ذہن میں آہی نہیں سکتی اس میں نوع عورت کا نام لگا ہوا ہے مگر وہ نہ یہاں کی سی عورت ہے اور نہ اس کے حسن کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے یہی حالت آخرت کی ہر چیز کی ہے کہ نام ان کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں اور حقیقت کچھ اور ہے نہ وہاں کا پانی یہاں کا سا پانی ہے نہ وہاں کا انار یہاں کا سا انار ہے نہ وہاں کی کھجور یہاں کی سی کھجور ہے نہ وہاں کا دودھ یہاں کا سا دودھ ہے نہ وہاں کی شراب یہاں کی سی شراب ہے نہ وہاں کی عورتیں یہاں کی سی عورتیں ہیں غرض وہاں کی سب چیز یہاں کی سب چیز سے کہیں بہتر ہونے کی حقیقت یہ ہی ہے جسکا خلاصہ یہ ہوا کہ نعمائے آخرت گو دنیا کی نعمتوں کے ساتھ متشارک فی الاسم ہوں لیکن حقیقت میں بالکل جدا ہیں اس واسطے دنیا کی نعمتوں کو ان سے نسبت دینا ذرہ اور آفتاب کو برابر کرنا ہے۔ پس ایک تو وجہ خیر ہونے کی یہ ہوئی کہ اس کی نوع اس نوع سے افضل و اکمل ہے اور ایک وجہ اور بھی سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور راحتیں کیسی ہی بڑی سے بڑی ہوں مگر ان میں شائبہ[1] الم کا ضرور ہے کوئی نعمت اور راحت ایسی نہیں جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ تکلیف نہ ہو۔

---

[1] تکلیف کی ملاوٹ ۱۲

کھانیکی کلفتیں

مثلاً کھانا جو دو وقت کھایا جاتا ہے سب جانتے ہیں کہ اس سے بڑی نعمت کون سی ہے بقاء حیات اسی سے ہے مگر اس میں کس قدر کلفتیں ہیں اوّل تو اس کے حاصل کرنے میں ہیں کہ زمین کھودی جائے اور اس میں تخم ڈالا جائے پھر بارش کا انتظار کیا جائے اگر بارش نہ ہو تو کنوئیں سے سینچائی کی جائے یہ مستقل ایک کام ہے اس کے لئے بیل پالنے پڑتے ہیں اور آدمی رکھنے پڑتے ہیں مکان بنانے پڑتے ہیں اس تمام کام میں بڑی رقم صرف ہوتی ہے پھر سینچائی کے بعد کچھ عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے تب وہ دانہ جمتا ہے پھر اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ گھر چھوڑ کر جنگل میں رہنا ہوتا ہے رات کو سونا نہیں ملتا دن بھر یہ شغل رہتا ہے کہ ہاہا ہوہو کرتے رہو ڈھول پیٹتے رہو ورنہ وہ ساری کھیتی جنگل کے جانور کھا جائیں پھر اس کھیت کی گھاس وغیرہ سے صفائی کی جاتی ہے ان سب بکھیڑوں اور مشقتوں کے بعد کھیت تیار ہوا اب وہ کاٹا گیا اور خرمن میں لا کر ڈالا گیا اور گاہا گیا تب جا کر دانہ حاصل ہوا اب گویا کھانے کا مادہ تیار ہوا یہ کلفتیں تو مادہ میں ہوئیں ابھی اور کام باقی ہیں اب اس کو صورت غذا کی پہنائی جائیگی اس صورت پہنانے میں بھی کیا کچھ کلفتیں ہیں اسکو پیسا جائے گا پھر چھانا جائے گا اور گوندھا جائے گا پھر روٹی پکائی جائیگی تو اب وہ کھانے کے قابل ہوگا اب تک بھی جو غرض ہے وہ

حاصل نہیں ہوئی اب اسکو کھایا جائے گا کھانے میں بھی کچھ نہ کچھ مشقتیں ہیں کبھی مرچ زیادہ ہو گئی۔۔۔۔ تو تکلیف ہو رہی ہے کبھی کچا رہ گیا تو لطف نہیں آیا کبھی جل گیا تو بے لطفی رہی کبھی گرم گرم لقمہ منہ میں رکھ لیا تو منہ بھن گیا اور تلاش ہے کہ ٹھنڈا پانی لاؤ خیر یہ کلفتیں تو معمولی ہیں لیکن کبھی یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ جان پر بن جاتی ہے بلکہ ایک دم خاتمہ ہی ہو جاتا ہے

کھانے میں ایک زبردست خطرہ

صاحبو! کھانا کھانا ایک بہت ہی معمولی کام ہے جسکو بچپن سے لیکر مرتے وقت تک کم سے کم دو وقت روزانہ ہر شخص کرتا ہے اور یہ ایسا سہل کام ہے کہ اسکو نہ کسی استاد سے سیکھنا پڑتا ہے نہ اس کے لئے کوئی کتاب ہے جسکو دیکھکر یہ کام آوے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور یہ کام کرنے لگا دودھ چھاتی میں سے کھینچا اور حلق میں اتار لیا گویا ایسا سہل کام ہے جس کے بتلانے اور سکھانے کی مطلق حاجت نہیں جب تک دودھ پیتا رہا دودھ کو اس طرح حلق میں اتارتا رہا جب غذا تبدیل ہوئی اور کچھ کھانے لگا تو اس غذا کو بھی اسیطرح بلا کسی بتلائے ہوئے اتارنے لگا حتی کہ اسی طرح ساری عمر گذر جاتی ہے معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی بعض وقت آدمی مشورہ کا محتاج ہوتا ہے مگر یہ آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو کھانے اور لقمہ حلق میں اتارنے کے لئے کسی سے مشورہ کرنے

کی ضرورت پڑی ہو غرض یہ نہایت ہی سہل کام ہے لیکن اگر کیفیت خیال میں لائی جائے اور اس میں غور کیا جائے تو بڑے بڑے عقلمند دنگ رہ جائیں اور شاید یہی کہنا پڑے کہ یہ کام ایسا مشکل[۱] اور امکان سے بعید ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا طب کی کتابوں میں دیکھئے تو عقل حیران ہو جاتی ہے کہ یہ کام کیسے ہو جاتا ہے حلق میں دو نلی آگے پیچھے ہیں اگلی نلی سانس لینے کی ہے جو پھیپھڑے سے ملی ہوئی ہے اور پچھلی نلی کھانے کی ہے جو معدہ تک پہونچتی ہے جو کھایا پیا جاتا ہے وہ اگلی نلی یعنی سانس کے راستے کے اوپر کو گذر کر کھانے کی نلی میں پہونچتا ہے یہ ایسا خطرناک راستہ ہے کہ اگر ذرا سا پانی یا ذرا سا کھانا سانس کی نلی میں پہونچ جائے تو موت کا سامنا ہے کیونکہ پھیپھڑے میں سے پھر اس کے نکلنے کی کوئی ترکیب ہی نہیں جنس ثقیل سے نیچے کو نکل جائے اور اوپر کو لوٹنا جسم ثقیل کا ویسے مستبعد ہے مگر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ ایک ذریعہ اس کا بھی احتیاطاً رکھ دیا ہے اور اس سے بھی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ شے ثقیل اوپر کو لوٹ آتی ہے وہ ذریعہ کھانسی ہے جب کوئی شے غریب[۲] پھیپھڑے کی نلی یا پھیپھڑے میں پہونچتی ہے تو پھیپھڑا ہوا کو بند کر کے ایک حرکت کرتا ہے جس سے وہ چیز ہوا کے ساتھ باہر نکل آتی ہے کھانسی پھیپھڑے کے لئے ایسی حرکت ہے جیسے دماغ کے لئے چھینک یہ

---

[۱] مشکل ۱۲ [۲] اجنبی چیز ۱۲ -

حرکت کھانسی کی اگرچہ پھیپھڑے میں طبعاً رکھی ہوئی ہے مگر ہر وقت کافی نہیں ہو سکتی اور کھانے کا کام ہر وقت ہے خود یہ کھانسی چونکہ حرکت غیر طبعی ہے اس واسطے ایذادہ ہے لیکن حق تعالیٰ نے احتیاطاً اسکو رکھدیا ہے۔ غرض سانس کی نلی کے اوپر کھانے اور پانی کا گذر نہایت خطرناک بات ہے لیکن خدائے عزیز و علیم کی قدرت دیکھیے کہ برابر ہر وقت کھانے اور پینے کا کام ہوتا ہے اور کبھی بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آتا ایک ذراسا گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر لٹکادیا ہے جس کو کوا کہتے ہیں جب کوئی چیز کھائی یا پانی جاتی ہے تو وہ گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر ایسا ڈھک جاتا ہے کہ اس میں ذرا سی رمق بھی پانی کی نہیں جاسکتی۔ ساری ساری عمر یہ خطرناک کام ہوتا رہتا ہے اور ہمکو خبر بھی نہیں ہوتی کہ لقمہ حلق میں کیسے اتر گیا۔ مگر کبھی حق تعالیٰ دکھلا بھی دیتے ہیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اور کس قدر خطرہ رکھتا ہے۔ اور اس طرح دکھلا دیتے ہیں کہ اسمیں غلطی ہو جاتی ہے اور کچھ حصہ کھانے یا پانی کا سانس کی نلی میں اتر جاتا ہے۔ جس کو پھندا لگنا کہتے ہیں تو کسقدر تکلیف ہوتی ہے آنکھیں باہر کو نکل آتی ہیں سانس بند ہو جاتا ہے۔ بہت دیر میں ہوش ہوتا ہے بلکہ بعض وقت ایک دم خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

پھندے سے موت کا واقعہ

ہمارے وطن میں یہی قصہ

سہ تکلیف ہو نا خوانی ۱۲ کہ ب نس ۱۲

ایک دفعہ پیش آیا ایک صاحب کے یہاں کوئی تقریب تھی بڑا مجمع تھا خوشی ہو رہی تھی کھانا کھانے بیٹھے تو ایک شخص کو پھندا لگا اور گلا بند ہو گیا۔ لقمہ اٹک گیا۔ اور کھانا کیا تھا چاول۔ سننے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ کہیں چاول سے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ چاول تو نہایت نرم غذا ہے حتیٰ کہ اسکو چبانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی مگر قدرت خدا کی کہ لقمہ حلق سے نہ اترا اور جان پر بن گئی چاروں طرف سے لوگ دوڑے کوئی پانی لاتا ہے کوئی ان کو کھڑا کرتا ہے اور ہلاتا جلاتا ہے مگر وہاں کام ہی تمام ہو گیا۔ تمام مجلس کا عیش مکدر ہو گیا۔ ان کے بھائی نے رات کو خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جنازہ باہر سے گھر میں آیا ہے۔ تعجب ہوا تھا کہ جنازہ تو گھر میں سے باہر جایا کرتا ہے یہ اُلٹا کیا دکھائی دیا مگر ایسا ہی ہوا کہ باہر باہر محفل میں ان کا دم نکلا اور جنازہ گھر میں لایا گیا، غرض کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا کھانا ایک معمولی کام ہے مگر اس میں بھی ایسے خطرے پیش آجاتے ہیں یہ کلفت ہوئی کھانے میں تو کھانا کھانا کیسی راحت کی چیز ہے مگر وہ بھی شائبہ الم سے خالی نہیں ایسی کلفت تو کبھی اتفاقیہ پیش آجاتی ہے بعض کلفتیں ایسی ہیں کہ اکثر پیش آجاتی ہیں مثلاً کھانا کھاتے میں بوٹی کا ریشہ دانتوں کے اندر رہ گیا تو کس قدر او کلو دیتا ہے جب تک وہ نکل نجاوے چین ہی نہیں آتا اس کو تنکے سے نکالا جاتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے

کہ تنکے سے اسے نکالنا چاہا تو تنکا بھی ٹوٹ کر وہیں رہ گیا اس سے اس الجھن میں اور اضافہ ہوا یہ وہ کلفتیں ہیں جو اکثر پیش آتی ہیں ان سب کلفتوں کے بعد غذا پیٹ میں پہونچی تو اور دوسری مشقت شروع ہوئی ایک لقمہ زیادہ کھالیا تو گرانی ہوگئی جسکا انجام یہ ہے کہ قبض ہوگیا یا دست آگئے پیٹ میں مروڑ ہوگئی یا جلن ہونے لگی اب حکیم کو بلاؤ یا ڈاکٹر کو لاؤ کہیں سینک ہورہی ہے کہیں چورن دی جارہی ہے تب کہیں پیچھا چھوٹتا ہے اور بسا اوقات اس سے بھی کھانا ہضم نہیں ہوتا قے ہوجاتی ہے اور کبھی ہیضہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔ خدا بچاوے۔ گو بعض حریص لوگ ہیضہ کو تکلیف نہ سمجھتے ہوں۔

ہیضہ کا ایک قصہ

جیسا ایک گاؤں کا قصہ مشہور ہے کہ وہاں ہیضہ پھیلا تو وہاں سے نکل کر بھاگے دوسرے گاؤں میں سے گزرے جو غریب اور قحط زدہ تھے انہوں نے پوچھا کیوں بھاگے جارہے ہو جواب ملا کہ اس گاؤں میں ہیضہ ہورہا ہے پوچھا ہیضہ کیا ہوتا ہے کسی نے کہا زیادہ کھالینے سے خرابی ہوجاتی ہے۔ اس کو ہیضہ کہتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں افسوس یہ مبارک مرض ہمکو کبھی نہ ہوا پیٹ بھر کر کھانے کو تو مل جاتا پھر مرتے یا کچھ ہی ہوتا۔ ایک بی بی کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کے لئے ادا

کی تمنی تھیں ایک بار کہنے لگیں کہ میرے بچہ کے ایک بچہ ہو جاتا پھر چاہے میں اس خبر کو سنتے ہی فوراً مر جاتی ۔ یہ لطیفہ بیضمن یاد آگیا بیان یہ تھا کہ کھانے میں کیا کیا کلفتیں ہیں کھانے سے پہلے بھی اور ساتھ میں بھی اور بعد میں بھی تو دنیا کی راحتوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی راحت بھی متعدد کلفتوں سے خالی نہیں ۔ کھانے میں یہ کلفتیں تھیں ۔

پانی کی کلفتیں

پانی میں بھی یہ قصے ہیں کہ پانی کے واسطے کنواں کھودنا پڑتا ہے بہشتی (سقہ) رکھنا پڑتا ہے برتن رکھنے پڑتے ہیں اور ان کی حفاظت کرنی پڑتی ہے ۔ ذرا سی نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے پھر اس کو پھینکا جاتا ہے ۔ اور برتن پاک کیے جاتے ہیں ۔ یہ تو پانی کے حصول سے پہلے کی کلفتیں ہیں ۔ اور پانی کے استعمال کے وقت میں بھی کچھ کلفتیں پیش آتی ہیں ۔ بعض وقت ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے مگر میسر نہیں بہت ناگواری کے ساتھ گرم پانی پینا پڑتا ہے ضرورت تو رفع کی ہی جاتی ہے مگر دل خوش نہیں ہوتا بعض وقت گرم پانی کی ضرورت ہے مگر وہ نصیب نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کیا جاتا ہے جس سے کپکپی آجاتی ہے مگر کیا کیا جائے قہر درویش[1] بر جان درویش ۔ غسل و

---

[1] فقیر کا غصہ فقیر ہی جان پر یعنی مجبوراً ۱۲ ۔

وضو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح بعد کی کلفتیں بھی ہیں پانی زیادہ پی لیا تو پیٹ پھول گیا کم ملا تو پیاس رفع نہ ہوئی غرض کوئی راحت دنیا کی ایسی نہیں جو مشوب بالالم نہ ہو۔

بی بی کے ساتھ کلفتیں

سب سے زیادہ جنتیں کی چیز دنیا میں بی بی سمجھی جاتی ہے اس میں دیکھئے کیا کیا کچھ کلفتیں ہیں اوّل تو اس کے تصوں میں کہ بعض جگہ رواج یہ ہے کہ اس پر بیٹی والے روپیہ لیتے ہیں اوّل بہت سا روپیہ کماؤ تب بی بی کا نام لو اور پیغام دو خیر یہ تو بری اور جاہلانہ رسم ہے اور کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے جہاں یہ رسم نہیں بھی ہے وہاں بھی اور بہت سے بکھیڑے ہیں بیٹی پر بدلہ تو نہیں دیا جاتا مگر اور بہت سی کلفتیں اٹھانی پڑتی ہیں مثلاً پہلے نسبت اور منگنی ہوتی ہے اس کے لئے نائی کو بھیجنا پڑتا ہے۔ تب بات پکی ہوتی ہے پھر تاریخ نکاح کی مقرر ہوتی ہے لوگوں کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے یہ بھی اچھا خاصہ مرحلہ ہے مختلف مذاق کے لوگ ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے موقع پر خواہ مخواہ نخرے کیا کرتے ہیں۔ خیر ان کے نخرے اٹھائے گئے اور ان کو جمع کیا گیا اب کھانا دانہ بھی ہونا چاہیئے اس کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہے کتنے دنوں میں کلفتیں اٹھا کر یہ روپیہ جمع ہوتا ہے اب نکاح کا وقت ہوا تو مہروں کا معاملہ درپیش ہے اگر سہولت

سے طے ہو گیا تو خیر ورنہ بعض وقت اس سے پہلے کی سب کاروائی یوں ہی رہ جاتی ہے اور طرفین میں بگاڑ ہو جاتا ہے اور بات یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ نکاح ہی حذف ہو جاتا ہے اگر مہر طے ہو گیا تو خیر نکاح ہو گیا بیس بکھیڑوں کے بعد خدا خدا کر کے محنت ٹھکانے لگی اور بی بی مل گئی۔ یہ کلفتیں تو حصول سے پہلے کی ہوئیں جب بی بی مل گئی تو اول اول دو چار دن تو دعوتیں رہیں کہیں شکرانہ ہے کہیں پلاؤ ہے قورمہ ہے بریانی ہے اور دو چار دن کے بعد مطالبات شروع ہوئے کہ نان نفقہ دلواؤ پہننے کو لاؤ سارا خرچ اٹھاؤ جو کچھ لطف اٹھایا تھا۔ سب نسیاً منسیاً[له] ہو گیا۔ اب نون تیل لکڑی کی پڑی نوشہ صاحب بھی کہ اب پہچانے نہیں جاتے ماں باپ کے گھر پکی پکائی کھائی تھی اب خود پکانی پڑ گئی اور گھر کرنا پڑ گیا یا الٰہی یہ کیا بلا نازل ہوئی دونوں وقت کھانے کو چاہیے اور کھانا بھی معمولی نہیں اپنی اکیلی جان ہو تو روکھی سوکھی بھی کھا کر بیٹھ رہے پرائی لڑکی ہے نئی نئی گھر آئی ہے اس کو تو روکھا سوکھا نہیں کھلایا جا سکتا اپنے آپ سے بہتر ہی کھلایا جائے گا۔ مگر اب تو جو کچھ بھی ہو کرنا ہی پڑے گا پھر لطف یہ ہے کہ اس پر بھی بس نہیں زیور کی فرمائش شروع ہوئی اب زیور میں تو کھانے سے بھی زیادہ

له بھول بھلیاں ۱۲

روپیہ لگتا ہے اور کبھی یہ کام کیا نہیں تھا اب لوگوں سے پوچھتے پھرتے ہیں کہ سونا کہاں سے لیں سُنار کون سا ہوشیار ہے جو زیور ایسا بنادے کہ صاحب فرمائش کی پسند آجاوے اور توڑ پھوڑ کی ضرورت نہ پڑے غرض بکھیڑوں اور کلفتوں کا دروازہ کھل گیا۔ یہ تو وہ باتیں تھیں جو کسی قدر اختیاری بھی کہی جا سکتی ہیں بی بی کے ساتھ بعض باتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں جو اختیار سے باہر ہیں مثلاً بیماری کہ بی بی صاحبہ کا سر بھی دُکھا تو فوراً حکیم کو بلاؤ ڈاکٹر کو لاؤ اپنی جان پر کوئی تکلیف ہو تو ایک وقت آدمی دم گھونٹ کر بھی بیٹھ رہے اور صبر کرلے مگر اس شخص کی تکلیف پر صبر نہیں ہو سکتا جسکی تیمارداری اور کل بار اپنے ذمہ ہے خود اپنی طبیعت بھی اسکو گوارہ نہیں کر سکتی کہ اس کو کوئی موقع شکایت کا ملے نیز دوسری طرف کا یعنی سسرال کا دباؤ بھی موجود ہے کہ لڑکی والے سنیں گے کہ اس کے سر میں درد ہوا اور کسی نے خبر نہ لی تو بہت کچھ بگڑیں گے اور اس بگاڑ کی نوبت جانے کہاں سے کہاں تک پہونچے گی ممکن ہے کہ اس کا انتقام لیں اور گھر بلا کر پھر نہ بھیجیں۔ اب کری کرائی ساری محنت اول ہی رہ جائے۔ دیکھئے کس قدر بکھیڑے ہیں بی بی جو سب سے زیادہ عیش کی چیز ہے اس کے ساتھ کلفتوں کی بھی سب سے زیادہ بھرمار ہے۔

اولاد کی کلفتیں

اور ابھی تو اور کلفتیں باقی ہیں جو اس کے نتائج میں داخل ہیں وہ یہ کہ اولاد ہوئی عورت کیلئے تو بچہ کا ہونا سخت مصیبت ہے ہی لوگ کہا کرتے ہیں کہ عورت دوبارہ جنم لیتی ہے مگر مرد کیلئے بھی کچھ کم مصیبت نہیں کہ زچہ خانہ کی خبر گیری گوند سونٹھ گھی وغیرہ کے لئے خرچ کی ضرورت اور بچہ صاحب جو تشریف لائے ہیں وہ پھول[1] پان ہیں ذرا سے میں کمہلا جاتے ہیں سرد ہوا لگ گئی تو اینٹھ گئے اور گرم ہوا لگ گئی تو بھڑک اٹھے کبھی رونا شروع ہوا تو روئے ہی جاتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیوں روتے ہیں بچہ حیوان بے زبان ہوتا ہے اپنا دکھ بیان نہیں کر سکتا علاج بھی قرائن اور قیاسات[2] پر کیا جاتا ہے۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ پیٹ میں درد ہے اس واسطے روتا ہے لہذا گھوٹی دی جاتی ہے اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ کان میں درد ہے اس کے واسطے تمباکو کی پیک کان میں ڈلوائی جاتی ہے یہ تکلیفیں تو وہ ہیں جو معمولی سمجھی جاتی ہیں ان کی تدبیر میں گھروں میں مستورات خود ہی کر لیتی ہے اور کبھی ایسی بیماریاں بچہ کو ہوتی ہیں جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار حکیموں اور ڈاکٹروں کی تلاش کرنی پڑتی ہے اور ذرا سے بالشت بھر

[1] نہایت کمزور ۱۲ [2] اندازہ ۱۲

کے آدمی کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرنا پڑجاتا ہے اس وقت تارے نظر آجاتے ہیں اور بے ساختہ آدمی کہہ اٹھتا ہے کہ بھلی اولاد ہوئی ہمیں تو مار دیا۔ بھلے مانس اس کا کیا قصور ہے تو نے خود ہی تو اسے بلایا ہے کسی صاحبِ حال کا قول ہے ؎

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

غرض کہیں ناک دکھ رہی ہے کہیں آنکھ دکھ رہی ہے جب ذرا ان میاں جی اچھا ہوتا ہے تو اپنی جان میں بھی جان آجاتی ہے اور جب اس کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو اپنی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے بَیْنَ الرَّجَاءِ وَالْخَوْفِ کا لطف آتا ہے خیر خدا خدا کرکے لڑکا بڑا ہوا تو اب اس کی شادی ہوئی پھر اس کے اولاد ہوئی اور سارا دھندا پھر از سر نو شروع ہوا جن کلفتوں سے خدا خدا کرکے کچھ نجات پائی تھی اب پھر اُن کا آغاز ہوا اگر اس کے اولاد نہ ہوئی تو اسکا غم کہ اولاد کیوں نہیں ہوتی اور اگر ہوئی تو وہ بھی سب ساز و سامان ساتھ لائی وہی گو موت وہی بیماری وہی خرچ وہی بلے بھیجنی وہی ہر وقت کا شغل غرض سارے غم تازے ہو گئے یہ عیش و آرام ہے دنیا کا اور دنیا کے یہ اشغال ایسے ہیں جن سے کوئی بھی خالی نہیں حتیٰ کہ لوگوں کی طبیعتیں ان سے ایسی مانوس ہو گئی ہیں کہ یہ اگر نہ ہوں

ل دماغ چکرا جاتا ہے ۱۲

انس اہل دنیا کا تذکرہ

تو طبیعت گھبراتی ہے کہ کوئی شغل نہیں اور یہ اشغال رہیں تو دل بہت خوش رہتا ہے مگر اس کو بجز بے حسی کے کیا کہا جاوے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک دوست ملے اور سلام علیک ہوئی پوچھا خیریت ہے انھوں نے بہت بگڑ کر کہا کہ خیریت ہو گی تمہارے یہاں ہمارے یہاں تو کنبہ ہے کنبہ میں خیریت کیسی کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کسی کی ناک دکھ رہی ہے کسی کا کان دکھ رہا ہے تم خیریت چاہتے ہو میرے کنبہ کو کوستے ہو یہ واقعہ ہے ۔ اس شخص نے ان کلفتوں کے نہ ہونے کو برا سمجھا اہل دنیا کی یہی حالت ہے چونکہ انھوں نے آرام کا عالم دیکھا نہیں ہے اور آنکھ کھولتے ہی اسی عالم کو دیکھا ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے اس وجہ سے اس سے انس ہو گیا ہے اور اس کی تکلیفیں تکلیف نہیں معلوم ہوتیں اگر ایک دو دن کے واسطے بھی ان کو وہ عالم نظر آجاوے جہاں راحت محضہ[1] ہے تو یہ انس ہے اور اس کے نام سے گھبرانے لگیں ۔ یہ اس دنیا کا حال ہے جس کے پیچھے لوگ مرے جاتے ہیں اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمیٹ کر گھر میں بھر لوں حالانکہ دنیا میں عیش و آرام اور راحت اس وقت میں تو کچھ ہو بھی جاتی ہے جب کہ دنیا تھوڑی ہو اور تعلقات کم ہوں اور والے کو تو عیش اور

[1] خالص ۱۲

آرام نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس دنیا کی دو ہی حالتیں ہیں ایک آرام کی اور ایک تکلیف کی جس کے آرام کے حصہ کی یہ کیفیت ہو تو اس کے اس حصہ کا کیا پوچھنا ہے جو تکلیف کا حصہ سمجھا جاتا ہے بعض وقت ایسی تکلیفیں دنیا میں پیش آتی ہیں کہ ان کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ خیر اس تکلیف کے حصہ کو چھوڑیے کیوں وحشت میں پڑے بچے تو اس حصہ کی حالت دکھلاتی ہے جو آرام کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں بھی کوئی راحت ایسی نہیں جسمیں شائبہ الم کا نہ ہو اس سے تکلیف کے حصہ کا حال خود سمجھ میں آجاتا ہے

جنت میں ہر چیز ارادہ کیساتھ ہوگی	بخلاف جنت کے کہ وہاں شائبہ بھی

تکلیف کا نہیں جس بات کو دل چاہے بلا کلفت اور بلا محنت اور بلا واسطہ اسباب فوراً موجود ہے مثلاً ایک پرند سامنے بیٹھا ہے کسی جنتی کا جی چاہا کہ اس کا کباب کھائیے بس وہ فوراً کباب بنکر تیار ہو کر سامنے آگیا نہ اس کے واسطے غلیل کی ضرورت ہوئی نہ بندوق کی نہ ذبح کی نہ کھال اتارنے کی نہ پکانے کی نہ گھی کی نہ مصالحہ کی بنا بنایا کباب سامنے آگیا یا مثلاً ایک مکان میں بیٹھے ہیں اور وہ مکان آراستہ اور پیراستہ ہے چھت اسکی مرصع ہے مگر جی چاہا کہ کھلا ہوا مکان ہوتا تو اس کے لئے آپ کو اسی

لہ جواہرات جڑی ۱۲۔

مکان سے اٹھنے اور دوسرے مکان میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بھی ایک تکلیف ہے وہاں یہ ہوگا کہ چھت غائب اور کھلا ہوا مکان موجود قرآن شریف میں ہے لکم فیہا ما تشتہی انفسکم یعنی جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو اہل جنت کا جی چاہے۔ غرض راحت بھی ہر قسم کی ہوگی اور پھر کوئی راحت کسی الم کے شائبہ سے ملی ہوئی نہ ہوگی بلکہ راحت محض ہوگی۔ اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں۔ ایک راحت کی حالت جسکی جگہ ہے۔ دوسری تکلیف کی حالت جسکی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر راحت میں الم ہے اور الم میں کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت چنانچہ دنیا کی راحت اور آخرت کی راحت کا مضمون تو سن لیا اب دونوں جگہ کی تکلیف کی کیفیت سنیئے دنیا کی کوئی تکلیف ایسی نہیں جسمیں کوئی شائبہ راحت کا نہو مثلاً مرض ہوتا ہے تو اس کے واسطے طبیب موجود ہے دوا موجود ہے مکان ٹھنڈا یا گرم جیسا چاہے مل سکتا ہے تیماردار موجود ہیں کسی کے ماں باپ ہیں کسی کے دوست واحباب ہیں اگر کوئی بالکل ہی لاوارث غریب اور فقیر ہے اور کوئی خبر گیراں اس کا موجود نہیں تب بھی اتنا تو ہو سکتا ہے کہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر اس کے ابنائے جنس کو رحم آجاتا ہے اور پیسہ سے ہاتھ پیر سے زبان سے

لہ دیکھ بھال کرنے والا ۱۲ سلہ جنس والوں ۱۲

تھوڑا یا بہت سلوک کر دیتے ہیں یہ بھی تھوڑی سی راحت ہے بخلاف دوزخ کے کہ وہاں کوئی جزو راحت کا ذرہ برابر کا بھی نہ ہوگا یہاں تک کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت ہی ہے کہ مصیبت زدہ کو یہ امید ہو کہ میں چند روز میں اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں گا چاہے دن تکلیف کے کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن کان میں یہ بات پڑی ہوئی ہو کہ ایک وقت ایسا ضرور آئیگا کہ میری تکلیف ختم ہو جائے گی تو اس سے بھی دل کو ایک سہارا سا رہتا ہے دیکھو کوئی دائم الحبس[1] ہوتا ہے تو چونکہ اس کی بھی ایک میعاد مقرر ہے گو وہ میعاد بھی طویل ہے مثلاً چودہ برس کی لیکن اس سے بھی اس کے دل کو تقویت رہتی ہے حتیٰ کہ احباب سے اور گھر والوں سے کہتا ہے کہ بھائی زندگی ہے تو پھر آہی ملیں گے لیکن اہل نار کو دوزخ میں یہ بھی نہ ہوگا بلکہ حکم سنا دیا جائے گا کہ اب موت نہیں آئے گی اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا۔

اہل ایمان دوزخ میں بھی امیدوار نجات ہوں گے

سوائے ان اہل[2] ایمان کے جو بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جاویں گے کہ ان کو وہاں تکلیفیں جو کچھ بھی ہوں مگر اتنی راحت ضرور ہو گی کہ توقع ہوگی نجات کی اور یہ امید رہے گی کہ سو برس میں ہزار برس میں دس ہزار برس میں کبھی نہ کبھی یہاں سے نکل جاویں گے

سو اس گروہ کے ذکر کا یہ مقام اس لئے نہیں کہ یہ حقیقی اہل دوزخ نہیں ہیں ان کا مکان اصلی تو جنت ہے مگر کچھ نجاستوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے ان کو پاک وصاف کئے جانے کی ضرورت تھی اس واسطے دوزخ میں ڈالے گئے چند روز میں یہاں سے نکل جاویں گے حقیقی اہل دوزخ کفار ہی ہیں جو دوزخ کے واسطے موضوع ہیں اور دوزخ ان کے واسطے موضوع ہے۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ ان ہی کو فرمایا گیا ہے۔ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وغیرہ (اے کفار تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور دوزخ کی آگ ان (کفار) کا ٹھکانا ہے

سو ان کے واسطے واقعی دوزخ میں شائبہ بھی راحت کا نہ ہوگا بلکہ جب اہل ایمان کو کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی، اس وقت ان کو صاف حکم سنا دیا جائیگا کہ تم کبھی نہیں نکالے جاؤگے اتنا جزو راحت کا بھی نہ رہا سوائے الم کے اور کیا رہا ہر قسم کا الم وہاں موجود ہے مگر راحت ذرا بھی نہیں درد ہر طرح کا ہے مگر طبیب نہیں دوا نہیں تیمار دار نہیں اپنے ابنائے جنس کو بھی رحم نہیں آتا آیت میں صاف موجود ہے کہ اہل دوزخ اہل جنت سے لجاجت کریں گے کہ اَفِيضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی تھوڑا سا پانی یا اور کوئی نعمت جنت کی ذرا سی ہمکو بھی دے دو تو جواب ملے گا کہ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ یہ تم کو نہیں مل سکتیں حق تعالیٰ نے ان کو کفار

لہ یعنی گناہ کی ناپاکیاں ۱۲ سہ بنائے گئے ہیں ۱۲

کے لئے حرام کیا ہے۔ یہ جواب ان لوگوں کا ہے جو اہل دوزخ کے ابنائے جنس ہیں یعنی آدمی ہیں مگر اس لحاظ سے اجنبی بھی ہیں کہ اب ان میں اور ان میں کوئی تعلق نہیں رہا وہ اہل جنت ہیں یہ اہل دوزخ ہیں وہ چین میں ہیں یہ تکلیف میں ہیں بلکہ در حقیقت تو ان میں اور ان میں تعلق دنیا میں بھی نہ تھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے اور یہ خدا تعالےٰ کے منکر تھے وہ ان کے دشمن تھے یہ اُن کے دشمن تھے ہاں کچھ وہ تعلقات دنیا کے دونوں میں تھے جو معیشت دنیا کیلئے ضروری تھے بہر حال اہل جنت اہل دوزخ سے بالکل مغایرت رکھتے ہیں اگر ان سے ایسا روکھا جواب ملے تو کچھ تعجب اور شکایت کی بات نہیں۔

اہل دوزخ کا باہم حال

مگر وہاں تو اہل دوزخ میں باہم بھی تراحم نہ ہوگا یہ بھی ایک قسم کی راحت ہوا کرتی ہے کہ ایک بلا میں مجمع کا مجمع گرفتار ہو مگر ان میں باہم ہمدردی ہو اور ایک دوسرے کا شریک حال ہو اس سے وہ مصیبت کچھ نہ کچھ ہلکی ہوجاتی ہے دوزخ میں اتنی بھی راحت نہ ہوگی بلکہ ایک کا ایک دشمن ہوگا۔ چنانچہ آیا ہے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ وَقَالَتْ

أُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک گروہ دوزخ
میں جائے گا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور برا بھلا کہے گا
یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں پہونچ جائیں گے تو پچھلے لوگ
پہلے لوگوں کی نسبت یوں کہیں گے، کہ اے اللہ ان لوگوں نے
ہم کو بہکایا تھا یعنی یہ گمراہ تھے ان کی تقلید میں ہم بھی گمراہ ہو گئے
لہذا ان کو دونا عذاب ہونا چاہیئے حکم ہوگا کہ سب کے لئے دونا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں عذاب کی کچھ کمی نہیں ایک حصہ اور دو
حصے سب برابر ہیں کیونکہ کوئی بھی ختم ہونے والا نہیں ایک گروہ
نے تو یہ کہا دوسرا گروہ کہے گا کہ تم ہم سے کس بات میں بڑھے
ہوئے ہو۔ جیسا کیا تھا اس کی سزا بھگتو یہ اہل دوزخ کی باہم
جنگ وجدل ہے اور عذاب تو تھے ہی یہ بھی عذاب ہی ہے کہ باہم
سلوک اور ہمدردی بھی نہیں تو وہاں کی تکلیف بھی بکامل تکلیف ہے
جسمیں کوئی شائبہ راحت کا نہیں مگر مجھکو اسوقت وہاں کی تکلیف
کے جزو کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود محض راحت کے جزو کا بیان
کرنا ہے۔ اور یہ دکھلانا ہے کہ دنیا کی راحتوں سے وہاں کی
راحت کو بڑا فرق ہے۔ پس تمام اشکالات رفع ہو کر ثابت
ہو گیا کہ آیت میں اسلام کا کامل ثمرہ بتلایا گیا ہے اور قاعدہ ہے
کہ اگر کسی کام پر ناقص ثمرہ کا وعدہ ہو تو اسکی طرف رغبت

بھی ناقص ہوگی اور اگر کامل ثمرہ کا وعدہ ہو تو رغبت بھی کامل ہوگی اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک تو یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک پیسہ ملے گا۔ اور ایک یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک اشرفی ملے گی تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس کام کی طرف رغبت زیادہ ہوگی جس کی اجرت کامل ہے یعنی جس پر ایک اشرفی کا وعدہ ہے اسی طرح یہاں جب حق تعالیٰ نے اسلام کا ثمرہ کامل بیان فرمایا اس طرح سے کہ ثمرے ہر کام کے دو ہی ہوتے ہیں نجات عن التکلیف اور حصول راحت اور یہاں دونوں کا وعدہ ہے تو اب کوئی فرد ثمرہ کا باقی نہیں رہا اور اسطرح سے ثمرہ کامل ہوگیا تو اسمیں اسلام کی پوری ترغیب ہوگئی اور اس ثمرہ کا کامل ہونا یہاں تو اس طریق سے معلوم ہوا اور دوسری نصوص میں دوسرے عنوانات سے بھی مذکور ہے۔ مثلاً صاف آیا ہے لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ، یعنی اہل جنت کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو ایسے گھر میں پہونچا دیا کہ اب ہم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچے گی۔

جنت میں نیند نہیں ہے دنیا میں آدمی کام کاج میں تھک جاتا ہے تو اس کو نیند آنے لگتی ہے وہاں نیند بھی نہیں حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا

کہ جنت میں سوئیں گے بھی تو حضورؐ نے فرمایا اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ یعنی نیند تو ایک قسم کی موت ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جنت میں موت ہے نہیں لہذا نیند بھی نہ ہوگی،

جنت میں نیند نہ ہونیکی حکمت

اور واقعی جنت میں نیند ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ نیند خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ رفع تکان کے واسطے ہوتی ہے اور جنت میں تکان ہے نہیں تو نیند کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں جملہ وہ چیزیں ہوں گی جسکو کسی کا دل چاہے وفیھا ما تشتھیہ الانفس تو اگر کسی کا دل نیند ہی کو چاہے تو نیند بھی ہونی چاہیئے اور بعض لوگوں کے نزدیک تو نیند سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔ ہم نے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک شخص تھے ان کو سونے کا بہت شوق تھا ایک دن مکان کے تہہ خانے میں جاکر سو رہے اور کسی کو خبر نہ کی کھانے کیوقت ان کی تلاش پڑی تو کہیں پتہ نہ چلا غیر معمولی تلاش کے بعد گھر والے خاموش ہو رہے کہ کہیں گئے ہوں گے آجائیں گے۔ لیکن وہ نہیں آئے یہاں تک کہ شام ہوگئی شام کو کھانے کے وقت پھر تلاش ہوئی مگر پتہ نہیں چلا اب تو گھر والوں کو فکر ہوئی اور جہاں جہاں خیال ہوا تلاش کرایا مگر پتہ نہ چلا اگلا دن ہوا

تو اب ان کی تلاش بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی اور پچاس پچاس کوس تک آدمی دوڑے اور جہاں جہاں خیال پہونچا سب ہی جگہ ڈھونڈ لیا مگر وہ حضرت گھر سے باہر کہیں گئے ہوں تو ملیں سب آدمی واپس آ گئے اور گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا آخر مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ خدا جانے جنگل چلے گئے اور وہاں بھیڑیا کھا گیا یا کہیں پانی میں ڈوب گئے یا کیا ہوا غرض ماتم کر کرا کر بیٹھ رہے تین دن کے بعد ان حضرت کی آنکھ کھلی اور آپ تہہ خانہ میں سے بخیریت نکل آئے معلوم ہوا کہ یہاں سب رو پیٹ چکے تو آپ فرماتے ہیں میں تو یہیں تہہ خانہ میں سو رہا تھا۔ کیوں اتنا پریشان ہوئے۔ علیٰ ہذا اٹاوہ میں ایک رئیس تھے میرے ایک عزیز ان کے یہاں رہتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز وہ ایسے موقعہ پر سو گئے جہاں سایہ بھی تھا مگر پرنالہ بھی گرتا تھا اور اتفاق سے بارش ہوئی اور پرنالہ رات بھر ان کی چھاتی پر گرتا رہا مگر ان کو خبر نہیں صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ رات بھر پرنالہ گرتا رہا اور بھیگے پڑے ہیں تب کپڑے اتارے۔ میرے زمانۂ قیام دیوبند میں ایک طالب علم تھے فیض محمد نام ان کے باپ کسی ریاست میں نوکر تھے ان کا بھی قصہ ایسا ہی ہے کہ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ ہلاؤ جلاؤ غل مچاؤ کچھ کرو مگر انکو خبر نہیں ہوتی تھی جب تک ان کے کان کے پاس بندوق کا

قیر نہ کیا جاتا ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی ریاست میں انکی قدر تھی اور ایک
قیر روزانہ کی ان کے جگانے کے واسطے منظوری ہو گئی تھی - ایسے اور بھی
قصے بہت ہیں - ظاہر ہے کہ ایسے سونے والوں کے نزدیک نیند سے زیادہ
کونسی نعمت ہو سکتی ہے تو کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی اس
کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جسکو
دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہیے تو تعارض ہو گیا نصوص میں ایک
نص میں ہے وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ اور حدیث میں ہے کہ اَلنَّوْمُ
اَخُ الْمَوْتِ، جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ
وہاں نیند نہ ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب قدرت
ہے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہونے دیں گے ، اور راز اس کا یہ
ہے کہ نیند فی نفسہٖ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے
تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہو جاتا ہے اس واسطے
ضرورت پڑتی ہے ، سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی
یہی حقیقت ہے نیند کی اور جہاں تکان نہ ہو وہاں اسکی کیا ضرورت
ہے - طالبعلموں کے سمجھنے کے قابل تقریر اس امر کی کہ نوم کوئی مطلوب
چیز نہیں اسطرح پر ہے کہ اصل نعمت وجودی چیز ہے اور اسی بنا پر
تو دنیا کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنی
نعمت کا اظہار مقصود تھا - ہ

من نکردم خلق تا سودے کنم ۔ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

ترجمہ میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ اس سے نفع حاصل کروں بلکہ اس لیے پیدا کیا تا کہ بندوں پر بخشش کروں ۱۲

تو پیدا کرنا نعمت ہوا فنا کرنا اصل میں نعمت نہیں ہوا۔ اور موت عدم ہے من وجہ (من و . اس واسطے کہا کہ عدم محض نہیں ہے) اور نیند مشابہ موت کے ہے۔ لہذا نیند بھی اصل میں نعمت نہ ہوئی اور جنت نعمتوں اور عیش کا گھر ہے تو وہاں اس کا کیا ذکر ہے اس لیے جنت میں کسی کو اس کی تمنا ہی نہ ہوگی بس یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ جب جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جسکو جی چاہے تو اگر کسی کا جی موت ہی کو چاہے تو یہ بھی ملنی چاہیئے یا کسی کا جی لڑائی دنگے خون خرابے کو چاہے تو یہ بھی جنت میں ہونا چاہیئے۔

ایک لطیفہ یہ مذاق تو ایسا ہے جیسے ایک صاحب حقہ کے بڑے دلدادہ تھے انھوں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے پوچھا تھا کہ حضرت وہاں آگ بھی ملے گی کسی نے ظرافت سے جواب دیا کہ آگ بہت دوزخ میں سے جا کرلے آیا کرنا۔ سو یہ تو بد مذاقی ہے۔ جنت والوں کا مذاق صحیح ہوگا، نہ ایسی چیزیں جنت میں ہوں گی جو مطلوب یا غیر مطلوب ہیں اور نہ ان کا جی ایسی چیزوں کو چاہے گا۔

ایک بے نظیر نظیر اس کی مثال دنیا میں ہی سمجھئے کہ

دنیا میں کیسی کیسی چیزیں کھانے کو موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا پیروالا ہے اس کو کھانے کو سب کچھ میسر ہے اسپر کوئی کہنے لگے کہ سب کچھ کہاں میسر ہے گھاس کہاں کھاتا ہے اور بھوسہ کی سانی اس کو کہاں میسر ہے بلکہ یوں کہنے لگے کہ گو بر تو وہ کھاتا ہی نہیں پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ سب چیزیں کھانے کو میسر ہے تو سوائے اس کے کہ بےحسی ہے اور کیا ہے کھانے کو سب کچھ میسر ہونے کے معنی اصیح المزاج کے نزدیک یہی ہو سکتے ہیں کہ جو غذائیں انسان کے کھانے کی ہیں اور ان میں سے بھی اچھی اور عمدہ چیزیں اس کو میسر ہیں کہ قورمہ پلاؤ بریانی فیرنی جو چاہے وہ کھاسکتا ہے یہ معنی نہیں کہ سوکھی روٹی بھی کھاسکتا ہے اور ان غذاؤں کا تو کیا ذکر جو جانوروں کے کھانے کی ہیں۔ اور یوں معنی لغوی کے اعتبار سے تو یہ چیزیں بھی کھانے کی ہیں اور غذا بھی ہیں۔ آخر گائے بیل بھوسہ اور سانی کھاتے ہیں اور گوہ بھی بعض جانوروں کی غذا ہے۔ اس معنی اگر تو کھانے کا لفظ ان سب پر صادق آسکتا ہے اور اس لفظ کے معنی کہ فلاں شخص کو سب کچھ کھانے کو میسر ہے لغت کے اعتبار سے اس طرح صحیح ہو سکتے ہیں کہ اس کو جانوروں کی غذا اور غلیظ بھی میسر ہے۔ مگر یہ معنی کون مراد لیتا ہے عرفاً یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں کہ اس کو وہ چیزیں میسر ہیں جو ایک صحیح المزاج اور سلیم العقل

آدمی کھایا کرتا ہے اور صحیح المزاج آدمی کا دل ان چیزوں کو چاہتا ہی نہیں کرتا جو بری ہیں اور جو طبیعت انسانی کے خلاف ہیں البتہ مزاج کی خرابی کے وقت اور خروج[1] عن الاعتدال کی حالت میں بری چیزوں کو بھی جی چاہا کرتا ہے مثلاً بعض حالتوں میں مٹی کھانے کو جی چاہا کرتا ہے۔ بعض صورتوں میں نیم کے پتے بھی کڑوے نہیں لگتے یا بے حسی کا زمانہ ہوتا ہے کہ بھلے بُرے میں تمیز نہیں ہوتی جیسے بچے کھٹائی بہت اور نہایت رغبت سے کھاتے ہیں کھٹائی ان کے نزدیک ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ حالانکہ عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کھٹائی بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ اعصاب کو مضر ہے اور تمام قوتوں کو کمزور کرتی ہے اسی واسطے جب شعور کا زمانہ آتا ہے تو بچوں کی طبیعت بھی کھٹائی سے اکثر خود ہٹ جاتی ہے۔ تو ایسی نکمی چیزوں کو جی چاہنا بے شعوری کی دلیل ہے یا فساد مزاج کی اور اہل جنت نہایت صحیح المزاج اور سلیم العقل ہوں گے اس واسطے ان کا دل ہی ان چیزوں کو نہ چاہے گا جو مضر اور نکمی ہیں دنیا اور جنت میں یہی فرق ہے کہ دنیا میں بعض اوقات غیر قابل استعمال چیزوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور جنت میں یہ نہیں ہوگی حاصل یہ ہے کہ سونا کوئی مرغوب و مطلوب چیز نہیں لہذا یہ جنت میں نہ ہوگا اور نہ اس کو ان کا جی چاہے گا، اور جاگتے

[1] اعتدال سے نکل جانا ۱۲

سے ان کو تکان بھی نہ ہوگا لَا یَمَسُّنَا فِیْھَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْھَا لُغُوْبٌ
جنت میں تکان مشقت ہے ہی نہیں وہاں راحت ہی راحت ہے نہ
شخصی حالات میں کوئی حالت تکلیف کی یا ناگواری کی ہے اور نہ
دوسرے کسی سے کوئی تکلیف پہونچے گی کیونکہ جنت کی صفت میں
یہ بھی آیا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ یعنی جو کچھ سینوں
کے اندر کدورتیں ہیں وہ سب نکال دی جائیں گی کیسی پاک
زندگی ہے جسکی نظیر خیال میں بھی نہیں آتی کہ کوئی کلفت باقی
نہیں اور کوئی راحت چھوٹی ہوئی نہیں اور دنیا کی یہ حالت ہے
کہ یہاں ہم سروٹ میں مظفر نگر سے آئے ہیں چار فرلانگ تو چلنا
پڑا ہی ہے اگرچہ یہ مسافت کچھ بھی نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ قصد و
اہتمام کی اور پیر ہلانے کی حاجت تو ہوئی ہی ہے اور جنت میں
حالانکہ اتنی بڑی جگہ ہے کہ ایک مکان کے گوشہ کا آدمی دوسرے
گوشہ والے کو نظر نہ آئے گا لیکن اگر آپسمیں ملنا چاہیں تو بس
دل میں ارادہ پیدا ہوا اور وہاں پہونچ گئے ایک قدم بھی چلنے
اور تکلیف کی ضرورت نہیں۔ غرض تمام نعمتیں جنت میں کامل
ہوں گی۔ کسی میں شائبہ نقصان نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ اسلام کے
دو ثمرے ہوئے۔ ایک مضرات سے حفاظت دوسرے راحت کی
چیزیں حاصل ہونا اور وہاں دونوں ثمرے کامل ہوں گے۔ ان
دونوں ثمرات کا کامل ہونا دوسری نصوص سے تو بمراحت ثابت

ہے مثلاً ایک یہی آیت تھی لَا یَمَسُّنَا فِیھَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیھَا لُغُوْبٌ۔ یہ تو دفع مضرت پر دال ہے اور مثلاً یہ دوسری آیت ہے وَ فِیھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ، اور جنت میں وہ چیزیں ہیں کہ ان کی نفس خواہش کرتے اور آنکھیں لذت اٹھاتی ہیں یہ حصول راحت پر دال ہے اور بھی بہت سی طرح آیتیں اس مضمون کی موجود ہیں اور جس آیت کا اس وقت بیان ہو رہا ہے۔ اس میں ذرا تامل کے بعد ثمرات کے کمال پر متعدد طرق سے دلالت موجود ہے ایک تو یہ کہ ثمرہ کے دو فرد ہوتے ہیں نفی مضرات اور حصول راحات اور آیت میں دو جملے ہیں لہم دار السلام اور ھو ولیھم۔ اول کا مدلول نفی ہے مضرات کی اور دوسرے کا مدلول اثبات ہے راحات کا تو اسطرح دونوں جزؤں کا احاطہ ہو گیا اسی کو ثمرۂ کامل کہتے ہیں ایک تو یہ وجہ ہوئی دلالت علی الکمال کی دوسرے یہ کہ لفظ دار السلام سے بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سَلَامَتٌ عَنِ الْمَضَرَّاتِ عَلٰی وَجْہِ الْکَمَالِ ہے کیونکہ اس معنی کے لئے اول تو صرف لفظ سلام بھی کافی تھا اس وجہ سے کہ سلام کے آگے کوئی قید نہیں تو مطلق سلام ہوا اور یہ قاعدہ ہے کہ اَلْمُطْلَقُ اِذَا اُطْلِقَ یُرَادُ بِہٖ الْفَرْدُ الْکَامِلُ اس واسطے لفظ سلام سے کامل سلامتی مراد ہو گی گو کہیں مطلق سے ادنیٰ فرد بھی مراد لیا جاتا ہے مثلاً عتق رقبہ میں جو کہ بعض کفارات میں ہے اس میں مومن

وغیرہ کی قید نہیں لہذا بقاعدہ المطلق یجری علی اطلاقہ، مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے، کوئی رقبہ بھی آزاد کر دیا جاوے خواہ مومن ہو یا کافر تو کفارہ ہو جائے گا سو یہ تابع قرائن کے ہے اور یہاں قرینہ دال ہے کہ لفظ سلام فرد کامل ہی پر محمول ہوگا کیونکہ اگر ادنیٰ فرد مراد لیں تو جنت کو دنیا پر کیا ترجیح ہوگی کیونکہ ادنیٰ سلام تو یہاں بھی موجود ہے۔ لہذا المطلق یجری علی اطلاقہ یہاں جاری نہ ہوگا، بلکہ وہ پہلا قاعدہ جاری ہوگا یعنی المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل۔ تاہم کچھ نہ کچھ گنجائش اس شبہ کی بھی تھی کہ شاید سلام سے ادنیٰ فرد مراد ہو

ایک انوکھی تحقیق

لیکن جب لفظ دار بڑھا دیا تو یہ شبہ بالکل ہی نہیں رہا اب یہ معنی ہو گئے کہ ایسے عالم کی سلامتی مراد ہے کہ وہ سلامتی کا گھر ہی ہے اس کی تنویر ایک مقدمہ سے ہوگی وہ یہ ہے کہ ہر گھر کا ایک موضوع لہ ہوا کرتا ہے یعنی وہ امر جس کے لئے وہ گھر بنایا گیا ہو مثلاً رہنے کا گھر یا اسباب کا گھر۔ یا مواشی کا گھر یا مہمانوں کا گھر، اسکے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ رہنے کا گھر وہ ہے کہ جسمیں رہنے کا سامان پورا ہو چارپائیاں لیٹنے کے لئے اس میں موجود ہوں فرش بیٹھنے کے لئے اس میں بچھا ہوا ہو لیمپ روشنی کے واسطے رکھا ہوا ہو پنکھا ہوا کے لئے لگا ہوا ہو پانی پینے کے لئے رکھا ہوا ہو گھر کیا

ہوا کے واسطے کھلی ہوئی ہوں چھت گیری لگی ہوئی ہوتا کہ چھت میں سے مٹی نہ گرے وغیرہ وغیرہ جتنے سامان رہنے کے متعلق آسائش اور آرائش کے ہیں سب موجود ہوں اور اسباب کا گھر وہ کہلائیگا جسمیں اسباب رکھنے کا سامان پورا موجود ہو متعدد مچان ہوں، الماریاں ہوں، صندوق ہوں، کواڑ مضبوط ہوں تالا کنجی درست ہو اور ہاتھی کا گھر وہ ہوتا ہے جسمیں جانوروں کے باندھنے رہنے کا سامان ہو مثلاً کھونٹے مضبوط گڑے ہوں ان کے کھانے کے لئے سانی کی ناندیں گڑی ہوں بھوسہ بھرا ہوا ہو چری بہت سی جمع کی ہوئی ہو۔ علی ہذا مہمانوں کا گھر ایسا ہونا چاہیئے جس میں مختلف مذاق کے لوگوں کے آسائش کے سامان ہوں حقہ بھی موجود ہو پاندان بھی رکھا ہوا ہو پانی کے لئے متعدد برتن ہوں بہت سی چارپائیاں ہوں اگر مہمان بڑی حیثیت کے لوگ ہوں تو آرائش کا سامان بھی بقدر کافی ہو جھاڑ فانوس لگائے جاویں لیمپ بجلی کے ہوں، نقش و نگار سے بھی مکان کو آراستہ کیا جائے خدمت گار بھی متعدد ہوں۔ غرض ہر گھر کا ایک موضوع ہوتا ہے اور عادت یہ ہے کہ جس گھر کو جس موضوع کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اس موضوع کی وہاں پوری تکمیل کی جاتی ہے اور اپنے امکان بھر موضوع کے تمام مناسبات کو جمع کیا جاتا ہے جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب سنئے کہ قرآن میں محافظت

اور عادات کی رعایت بہت ہے تو جسکو حق تعالیٰ نے دار السلام فرمایا ہے۔ جسکے معنیٰ ہیں سلامتی اور حفاظت کا گھر اس کا موضوع آفات سے حفاظت اور امن ہوا تو لا محالہ وہاں یہ موضوع کامل ہوگا اس سے اجمالاً تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دار السلام جس جگہ کا نام ہے وہ جگہ پوری پوری حفاظت اور امن کی جگہ ہوگی۔

جنت کے سلامتی کا گھر ہونیکی تحقیق

اب اس کی کچھ تفصیل بھی سنئے اس سے بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ وہ دار السلام واقعی ایسی ہی جگہ ہے جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ عادت یہ ہے کہ ہر گھر کی اس کے موضوع میں پوری تکمیل کیجاتی ہے، کوئی یہ نہیں چاہتا کہ جس کام کا گھر بناوے اس میں کچھ کمی رہ جاوے پھر اگر کچھ کمی رہ جاتی ہے تو اس کی وجہ دو ہوتی ہیں یا تو یہ کہ جو شخص بناتا ہے وہ پورا عاقل نہیں ہے کہ اس مکان کی سب ضروریات اس کے ذہن میں نہیں آئیں اس وجہ سے بعض چیزیں چھوٹ گئیں یا یہ کہ ضرورتیں تو ذہن میں سب آگئیں مگر بنانے والے کو ان کی تکمیل کی پوری قدرت نہیں مثلاً روپیہ کم ہے یا جگہ پوری نہیں ملتی تو لا محالہ جتنی گنجائش ہوگی اتنے ہی کام پر بس کیا جاسے گا اور اگر بنانے والا پورا عاقل ہے اور اصول تعمیر سے اور ضروریات انسانی سے پورا واقف اور تجربہ کار ہے اور صاحب قدرت بھی ہے یعنی روپیہ بھی

کافی موجود ہے اور جگہ کی بھی کمی نہیں تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مکان کو ناقص کیوں رکھے گا۔ کامل ہی بنائے گا۔ اور جو کچھ بھی اس کے موضوع کے مناسب ہوگا وہ سب اسمیں مہیا کرے گا مثلاً گھر کو تفریح کے لئے بنائے گا تو اس میں پورا سامان تفریح کا رکھے گا جھاڑ فانوس نقش و نگار فرش فروش سب ہی کچھ سامان نشاط کا مہیا کرے گا اور جو وظیفہ پڑھنے کے لئے بنائے گا تو اس میں وظیفہ کا پورا سامان رکھے گا، مناجات مقبول بھی ہوگی، دلائل الخیرات بھی حزب الاعظم بھی تسبیح بھی ہوگی جا نماز بھی غرض سب چیز وظیفہ کے متعلق ہوں گی جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب دار السلام کو لیجئے کہ وہ گھر بنایا گیا ہے آفات سے محفوظ ہونے کے لئے دار السلام کے معنٰی یہ ہوں گے کہ سلامت و حفظ عن الآفات کی صفت میں وہ کامل ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ دیکھا جاوے کہ وہ گھر بنایا کس نے ہے حق تعالیٰ نے جنکو تکمیل سے کوئی مانع نہیں۔

موانع تکمیل شئی دو ہیں کیونکہ مانع دو ہوتے ہیں علم نہ ہونا یا قدرت نہ ہونا اور وہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں حق تعالیٰ کا علم بھی کامل اور قدرت بھی کامل پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس گھر کو حق تعالیٰ نے سلامتی اور حفاظت عن الآفات کے لئے بنایا ہو اس میں کوئی بھی وہ چیز چھوٹ گئی ہوگی جسکو اس موضوع میں دخل ہو یہ بہت ہی موٹی

بات ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وہاں ہر قسم کی تکالیف سے حفاظت رہے گی حتیٰ کہ جو تکالیف کہ اس وقت ہمارے خیال میں بھی نہ آویں اور کبھی آئندہ ہو سکتی ہوں جن کا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں وہ بھی وہاں نہیں ہیں۔ اے مسلمانو! ہمارا گھر وہ ہے جس کی یہ شان ہے دنیا کو گھر نہ سمجھو دنیا محض سرائے ہے راستہ چلتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے یہاں ٹھہرنا ہے مگر ہم نے اس میں دل لگا لیا

غافل مسلمان کی مثال

ہماری مثال اس سپاہی کی سی ہے جس نے ساری عمر نوکری کی اور جو کچھ کمایا تھا اس کو لیکر گھر کو چلے راستہ میں کہیں سرائے میں ٹھہرے ایک کوٹھری کرایہ پر لی وہ کوٹھری ان کو ایسی پسند آگئی کہ آپ نے فوراً راج مزدوروں کو بلایا اور اسکی لپائی پتائی شروع کی اور عمدہ قسم کی قلعی کرائی اور بازار سے دری اور فرش اور چوکی اور جھاڑ اور فانوس لائے، اور خوب سجایا غرض یا تو ہزار روپیہ جو کما کر لائے تھے وہ سب اس کوٹھری کی سجاوٹ میں لگا دیا اور اسمیں بیٹھ بیٹھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ یہ ہمارا گھر ہے۔ اور بھٹیاری اس کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے کہ اچھا موقوف پھنسا یہ تو اطمینان سے بیٹھے تھے مگر وہ کوٹھری ایک وقت مقرر کے لئے کرایہ پر دی گئی تھی جب وقت آیا بھٹیاری نے نوٹس دیکر ان کو نکلوا دیا اب یہ بیک بینی (یعنی تن تنہا) و دو گوش وہاں سے گھر کو چل دئے

جو کچھ ساری عمر میں کمایا تھا وہ اس کوٹھری میں غارت کر آئے گھر گئے تو دیکھا کہ بچے بھوکے ہیں اور جو مکان رہنے کا تھا اور جسمیں ساری عمر انکو کاٹنی تھی وہ گر چکا بیوی الگ کوس رہی ہے بچے الگ بھوک کے مارے غل مچا رہے ہیں یہ حالتیں دیکھکر ان پر جو قیامت گذر رہی ہے وہ ان کا دل ہی جانتا ہے اب بچوں کے لئے اور اپنے لئے کچھ کھانے کو لانا چاہتے ہیں بازار گئے تو پیسہ پاس نہیں بازار میں طرح طرح کی چیزیں دیکھکر منہ میں پانی بھر آتا ہے مگر کیا کریں ؎

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر ۔۔۔ تہیدست را دل پراگندہ تر

(بازار جتنا زیادہ بھرا ہوا ہے۔ خالی ہاتھ والے کا اتنا ہی دل پریشان ہے)

بس اب روتے ہیں اور کف افسوس ملتے ہیں اور یاد کرتے ہیں کہ ہم اس کمائی کو جو اس کوٹھری میں لگا آئے یہاں لاتے تو کیا لطف ہوتا ہم بھی اوروں کی طرح چین کرتے اور مزے کی زندگی بسر کرتے کوئی ایسی صورت ہو کہ جو روپیہ وہاں لگایا تھا آدھا تہائی ہی مل جاوے تو وہاں سے لے آویں مگر فرض کر لیا جاوے کہ اس سرائے کے احاطے میں ایسا دروازہ ہے کہ جب وہاں سے کوئی چل دیتا ہے تو اس دروازہ سے نکل تو جاتا ہے مگر لوٹ کر پھر اس میں نہیں جا سکتا اب کوئی صورت نہیں کہ وہاں پہونچیں بس اب ایک ایک گھڑی کاٹنا مشکل ہے بازار کی دکانوں پر نظر اٹھاتے ہیں اور حسرت سے ساتھ نیچے کر لیتے ہیں اور ایسی ندامت ہے جس کا کچھ تدارک نہیں

ہو سکتا۔ حضرت قیامت میں بھی ہوگا قیامت میں ایک بازار ہے جسکو شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند　　منازل باعمال نیکو دہند

اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جو کہیں بھی نہیں ہو سکتیں اور ان کا خیال بھی کسی کو نہیں آسکتا ان کے خریدنے کے لئے وہاں کے سکہ کی ضرورت ہوگی دہاں کا سکۂ اعمال ہے جب وہاں پہونچے تو یہ سکہ ہاتھ میں نہیں ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر جو کچھ حسرت ہوگی وہ ظاہر ہے

ایک مفید اور باریک حکایت

حسرت پر ایک مفید حکایت یاد آئی وہ سب کے مذاق کے مناسب تو نہیں ہے مگر نتیجہ خیز ضرور ہے۔ اس سے اللہ کے بندوں کا تقویٰ طہارت معلوم ہوتا ہے اور اسکا پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کی نظر کس درجہ دقیق ہوتی ہے وہ حکایت یہ ہے کہ ایک بزرگ کا لڑکا مدرسہ میں پڑھتا تھا یہ بزرگ ایک دفعہ اس کے پاس گئے وہ اس وقت حجرہ میں نہ تھا انھوں نے دیکھا کہ حجرہ میں ایک روٹی رکھی ہے اس کی ہیئت سے سمجھے کہ یہ روٹی بازار کی ہے خیر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد لڑکا آیا اور سلام کیا تو انھوں نے جواب نہیں دیا اور کہا کہ میں تجھ سے نہ بولوں گا تو روٹی بازار کی کھاتا ہے اس نے کہا حضرت یہ روٹی میری نہیں ہے میرا ایک اور

ٹھیک ہے جو اسی حجرہ میں رہتا ہے اس کی ہے کہا تو تو ایسے کی صحبت میں رہتا ہے جو روٹی بازار کی کھاتا ہے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے تو اس قابل نہیں کہ تجھ سے کلام کیا جائے (یہ کوئی شرعی فتویٰ نہیں ہے کبھی کوئی حکم لگا دے کہ بازار کی روٹی کھانا ناجائز ہے ایک اہل دل کا حال ہے) اور اس میں انھوں نے ایک ایسی باریک بات فرمائی تھی جس تک ہم جیسوں کی نظر نہیں پہونچتی وہ یہ کہ بازار میں جو روٹی بکتی ہے اس کے سامنے سے بہت لوگ گذرتے ہیں جو بھوکے ہوتے ہیں اور اس کو خرید نہیں سکتے اس لئے حسرت سے اس پر نظر کرتے ہیں جس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے تو جو چیز سبب بنے مساکین کی دل آزاری کا اسمیں برکت نہیں رہتی اس وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ کس درجہ باریک بات ہے واقعی یہ علوم بجز اہل اللہ کے کسی کو میسر نہیں ہوتے ہیں پھر کہتا ہوں کہ یہ فتویٰ نہیں ہے کہ بازار کی روٹی کھانا منع ہے۔ مگر حتی الامکان پھر بھی اس کا خیال رکھا جاوے کہ بازار کی چیز نہ کھاویں گھر بنا کر کھاویں تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ حکایت حسرت کے لفظ پر یاد آگئی تھی اس حکایت میں اہل اللہ کی ہمدردی اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے

ایک بزرگ کی حکایت

اس پر ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ نے ایک عورت سے نکاح کا پیغام دیا مگر بات طے نہ ہوئی اور ان سے نکاح نہ ہوا

بلکہ ایک اور جگہ اس عورت کا نکاح ہوگیا تو ان بزرگ نے آکر اس دوسرے شوہر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ مجھ سے بڑا قصور ہوا اس نے کہا خیر تو ہے کیا ہوا کہا قصور یہ ہے کہ میں نے ایسی عورت کو پیغام دیا جو علم الٰہی میں آپ کے لئے مقدر تھی اس طرح سے وہ آپ کی بیوی تھی مجھ سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس کا ارادہ کیا یہ بات ظاہراً ایک بے عقلی کی سی معلوم ہوتی ہے ایک عورت کو مختلف آدمی پیغام دیا ہی کرتے ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیغام دینا برا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس دوسرے شخص کو جس سے کہ اسکا اب نکاح ہوا ہے اس عورت کے پیغام دینے میں تو کچھ برائی ہو بھی سکتی ہے کیونکہ پہلے والے کا حق گونہ ثابت ہوچکا ہے لیکن یہ ظاہر بینوں کی بات ہے ان بزرگ پر خوف خدا اور حقیقت شناسی غالب تھی انھوں نے امر مقدر کو ایسا ہی سمجھا جیسے محقق کو یعنی جیسے نکاح شدہ عورت کو پیغام دینا اور اسکا برا ہونا ظاہر ہے اس واسطے اس سے معافی مانگی اس قصہ میں یہ نظر ہوتی ہے اہل اللہ کی ان کو علوم القا ہوتے ہیں اور دل انکا اتنی خفیف بات کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ مصرع

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

یہ ان ہی کے حالات ہیں انہی کو اتنا علم تھا اور انہی کو اتنی ہمت بھی تھی۔ اور آجکل کیا منہ ہے کہ ان کی ریس کی جاوے اتنی ہمت کہاں

اس لئے آجکل بعض لوگوں کو بوجہ ہمت عمل نہ ہونے کے زیادہ
علم بھی مضر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا عمل علم کی برابر نہیں ہوتا۔ لہذا
بجائے اصلاح کے اور الٹا تکبر اور خود بینی اور دعوی تقدس
پیدا ہوجاتا ہے۔ اہل اللہ کی باریک بینی پر ایک اور حکایت
یاد آئی،

بعض بزرگوں کی حکایات

ایک بزرگ کی بی بی
تیز مزاج تھی بہت برا بھلا کہتی، اور وہ ہمیشہ حلم سے کام لیتے
ایسے بزرگ کی ایسی بی بی۔ اس تیز مزاجی پر حکایت کے بیچ
میں ایک اور حکایت یاد آگئی کہ لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے۔
ان کی بی بی نہایت بڑی بد مزاج تھی ایک دن انھوں نے جھلا
کر کہا تو بڑی کمبخت ہے کہ باوجود ایسے سامان اصلاح کے
تیری اصلاح نہ ہوئی۔ اس نے کہا میاں کمبخت تم ہوتے کہ تمکو
ایسی بی بی ملی میں تو بڑی خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسا خاوند
ملا۔ اس پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک ایسے ہی میاں بی بی
تھے کہ میاں خوبصورت تھے اور بی بی بدصورت تھی میاں ظریف
بھی تھے ایک دن بولے کہ ہم دونوں جنتی ہیں۔ کیونکہ میں جب
تمہیں دیکھتا ہوں صبر کرتا ہوں اور تم جب مجھے دیکھتی ہو تو شکر
کرتی ہو اور صابر و شاکر دونوں جنتی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حکایتیں
اس حکایت کے بیچ میں آگئی تھیں وہ اصل حکایت یہ تھی کہ

اِن بزرگ کی بی بی بہت تیز مزاج تھی اکثر اوقات بیچارے تنگ ہوا کرتے تھے ایک دفعہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت آپکو بہت تکلیف ہوتی ہے اسکو طلاق دیدیجیے فرمایا بھائی دل میں تو بہت دفعہ آیا لیکن یہ سوچا کہ میں نے اس کو طلاق دیدی تو شاید یہ کسی سے نکاح کرے تو وہ دوسرا اس بلا میں پھنسے گا بجائے اس کے کہ دوسرے کو تکلیف ہو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی اس تکلیف میں مبتلا رہوں اور دوسروں کے لئے سپر رہوں یہ ہے باریک بینی اور یہ ہیں جنکو حقیقی اخلاق کہنا چاہیے آجکل لوگ اخلاق اور تمدن اور تہذیب کے بڑے مدعی ہیں غور کر لیجیے کہ یہ اخلاق ہیں یا آجکل کے اخلاق ۔ آجکل اخلاق کہتے ہیں نرم بولنے کو اور بار بار جھکنے کو اور آداب اور سلام کو اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریما پڑھا کرتا تھا اسمیں تواضع کا بیان آیا مولوی صاحب نے سبق پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تواضع کس کو کہتے ہیں کہا جی کوئی آیا اسکو حقہ دیدیا پان کھلا دیا بٹھا لیا انھوں نے خوب پیٹا اس قصہ کو سنکر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل اور گنوار کا قصہ ہے

آجکل کے اخلاق کی حقیقت

لیکن آجکل کے

تعلیم یافتوں کے اخلاق اور تواضع دیکھئے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جسکو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جسکے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں۔ اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکسار کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور اخلاق مع الخلق کی حقیقت ہے دوسرے کی رعایت اپنے آپ سے زیادہ کرنا اب دیکھئے کہ یہ دونوں چیزیں آجکل کے لوگوں میں کہاں تک موجود ہیں بس جو کچھ ہے زبانی جمع خرچ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آجکل جو کچھ اخلاق ہیں وہ صورت ہے اخلاق کی اور حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں حقیقی اخلاق وہ ہیں جو ان بزرگوں میں تھے جن کی حکایتیں آپ نے سنیں ظاہر میں وہ لوگ تند مزاج اور کھرے والے تھے مگر اس کا اہتمام رکھتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے چاہے اپنے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑے۔ مگر آجکل مذاق ایسا بگڑا ہے کہ اگر حقیقی اخلاق کسی میں ہوں تو وہ نظر میں نہیں آتے لوگ بزرگوں کے یہاں جاتے ہیں اور ان کی سادگی اور بے تصنعی دیکھکر خوش نہیں ہوتے اور شکایت کرتے ہیں کہ وہ تو ایسے خشک اور مغرور ہیں کہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے اور

جو ان کے ساتھ چار گھنٹہ چرٹ بٹر کرتا رہے اور خوب آؤ بھگت کرے وہ خلیق مانا جاتا ہے چاہے یہ سب کچھ صرف ظاہرداری اور تصنع اور بناوٹ ہی ہو اور کام کی بات ایک بھی نہ ہو اور وقت پر ذرا بھی کام نہ آئے ایسے آدمیوں کی طرف بڑا اعتقاد ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک خلق کے معنی وہی ہوئے جو اس گنوار نے سمجھے کہ حقہ پلا دینا اور پان کھلا دینا

اخلاقِ شرعی کی حقیقت

صاحبو! اخلاق اور ہی چیز ہیں صرف صورت بنا لینے کا نام اخلاق نہیں اخلاق تو وہ ہیں جو دل میں ہوں بزرگوں میں ہی اخلاق ہوتے ہیں کہ جڑ تو ان کی دل میں ہوتی ہے اور آثار ان کے ظاہر پر بھی نمایاں ہوتے ہیں مگر نہ اتنا جتنا کہ اہل تصنع میں ہوتا ہے اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کا گھر مکہ معظمہ میں میں نے بھی دیکھا ہے بہت گلیوں کے اندر ہے ان کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ روپے پیسہ ان کے پاس تھا وہ سب ایک تھیلی میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اس میں روپیہ بھی ہوتے اور دونی بھی اور چونی بھی غرض جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ سب اس تھیلی میں تھا جب بازار جاتے تب بھی وہ تھیلی ساتھ جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی جو کچھ محبت اہل اللہ کو نہیں

ہوتی کوئی دنیا دار ہوتا تو مال کو چھپا کر رکھتا زمین میں گاڑ دیتا یا صندوق میں تالا لگا کر رکھتا مگر یہاں کچھ بھی نہیں اسکی پروا ہی نہیں کہ کوئی دیکھ لیگا اور چھین لے گا یا چرا لیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک دن بازار سے کچھ خریدا اور دام نکالنے کے لیئے ساری تھیلی الٹ دی دام کی قدر نکال باقی پھر اس میں بھر لیا کسی بدو کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ ساتھ ہو لیا جب وہ گلیوں میں پہونچے تو ایک دم اس تھیلی کو ان کے ہاتھ سے چھین بھاگا ان حضرت نے اتنی بھی پرواہ نہ کی کہ اس کا تعاقب کرتے یا غل مچا دیتے تو محلہ میں سے آدمی نکل آتے اور اس بدو سے تھیلی چھین لیتے یہی دلیل ہے اس بات کی کہ ان کا تھیلی کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا مال کی محبت کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ بعض دنیا داروں کو دیکھا جاتا ہے کہ اشرفیاں بازو پر باندھے رہتے ہیں کیونکہ وہ ان کو نہایت محبوب ہوتی ہیں ذرا دیر کو بھی ان کا جدا کرنا گوارا نہیں کرتے یہاں تو دنیا سے کچھ تعلق ہی نہ تھا تھیلی جاتی رہی جاتی رہی یہ اپنے گھر میں آگئے قدرت خدا دیکھئے کہ دنیا دار کیا کچھ حفاظت کرتے ہیں تالے صندوق پہرہ چوکی رکھتے ہیں اور یہاں کچھ بھی نہ تھا مگر یہاں خدائی پہرہ تھا بدو وہ تھیلی لے تو گیا مگر اب اس کو گلیوں میں راستہ نہیں ملتا جدھر جاتا ہے ادھر گلی بند۔ ہمایوں کے مقبرہ کی بھول بھلیاں

ہو گئی کہ اس میں چلے تو جاؤ مگر نکل نہیں سکتے بیچارہ بہت حیران
پھرا مگر راستہ نہیں ملا اب تو ہوش درست ہوئے اور سمجھا کہ یہ
کوئی خدا بندہ ہے - مصرع - جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد
آیا - دنیادار ایسے لوگوں کے معتقد جوتے کے زور سے ہوتے
ہیں - اسی واسطے دیکھا ہوگا کہ آجکل لوگ مجذوبوں کے زیادہ
معتقد ہوتے ہیں - کیونکہ وہ سیدھی طرح بات نہیں کرتے ،
گالیاں دیتے ہیں - پتھر مارتے ہیں - واہی تباہی بکتے ہیں - سوانکی
خوشامدیں ہوتی ہیں اور ہاتھ جوڑے جاتے ہیں - اور رہے
بیچارے مولوی تو گھنٹوں سر ماریں اعلی سے اعلی مضامین بیان
کریں مگر کسی کو بھی اعتقاد نہیں ہوتا - اور وہ ڈنڈے مارتے
ہیں اور اعتقاد بڑھتا جاتا ہے - غرض سیدھوں کی پوچھ نہیں
جب کوئی دباؤ پڑتا ہے تب اعتقاد ہوتا ہے - آخر وہ بدو
روپیہ کی تھیلی لیئے ہوئے اسی گھر پر گیا جسمیں شاہ صاحب
گئے تھے اور پکارا اپنی تھیلی لے لو مگر خبرے[۱] نہ باشد کئی بار پکارا
مگر جواب نہیں ملا - پکار کر کہا معاف ہی کردو مگر خبر ندارد
اب یہ سمجھے کہ میں نے اتمام حجت کردیا اب میرے اوپر
کوئی الزام نہیں رہا - اگر کسی کو لینا ہوتا تو لے لیتا معلوم ہوتا
ہے معاف کردیا -

۱؎ یعنی کوئی اطلاع نہ آئی ۱۲

تعلق مع اللہ کا ایک فائدہ

یہ خبر نہیں کہ اُن کا محافظ کوئی اور ہے اس کی معافی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ معاف بھی کر دیں تو وہ معاف نہیں کرتا بعض جرائم کی مدعی سرکار ہوتی ہے ان میں صاحب حق کے معاف کرنے سے بھی مجرم بری نہیں ہوتا خیر اس نے سمجھا کہ میں اپنا کام کر چکا اور تھیلی لے کر چلا لیکن راستہ پھر نہیں ملتا اب بہت پریشان ہوا ایک اور تدبیر نکالی کہ محلہ میں کھڑے ہو کر غل مچایا کہ دوڑیو مجھے لوٹ لیا اور مجھ پر ظلم کیا محلے والے نکل آئے کہ کیا بات ہے پوچھا کس نے ظلم کیا کہا یہ شخص جو اس گھر میں رہتا ہے اُس نے ظلم کیا اس کو بلاؤ لوگوں نے باوجود اس کی تکذیب کے اتمام حجت کے لئے آواز دی شاہ صاحب نکلے اس نے ہاتھ پکڑ لیا کہ انھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ظلم کیا کہنے لگا میں ان کی تھیلی چھین کر بھاگا تھا تو مجھکو راستہ نہیں ملتا ان سے کہا اپنی تھیلی لے لیں اور وہ تھیلی سامنے رکھ دی کہ یہ لے لو شاہ صاحب نے کہا میری نہیں ہے میں کیسے لے لوں اب لوگ حیران ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اتنا روپیہ دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ میرا نہیں یہ عجیب مقدمہ ہے دنیا میں مقدمے تو اس طرح کے ہوا کرتے ہیں کہ

ہر فریق یہ دعویٰ کیا کرتا ہے کہ روپیہ میرا ہے مگر یہاں اسکا عکس ہے کہ ہر فریق کہتا ہے کہ میرا نہیں۔ محلے والوں نے کبھی دیکھا تھا کہ یہ تھیلی شاہ صاحب کے ہاتھ میں رہا کرتی ہے اس واسطے یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ مِلک شاہ صاحب ہی کی ہے مگر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے کسی نے پوچھا کہ یہ تھیلی تو آپ ہی کی ہے۔ کہا ہاں میری ہی تھی مگر اب نہیں ہے وجہ یہ کہ جب یہ شخص میرے ہاتھ میں سے اسکو چھین کر بھاگا مجھے خیال ہوا کہ یہ شخص گنہگار ہوا اور اس کے بدلے دوزخ میں جائے گا اس سے مجھے نہایت قلق ہوا کہ ایک مسلمان میرے سبب دوزخ میں جائے لہذا میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا کہ اللہ یہ مال میں اس کو ہبہ کرتا ہوں اور بعد ہبہ کے قبضہ بھی ہو گیا۔ اس لئے اب یہ مال اس کی مِلک ہو گیا۔ اور ہبہ میں رجوع جائز نہیں، تو اب میں اس مال کو کیسے واپس لوں۔

ایک فقہی مسئلہ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگرچہ یہ مال ہبہ کر دیا گیا تب بھی اس صورت میں رد جائز ہے کیونکہ ایجاب سے ہبہ تمام نہیں ہوا۔ اور قبول پایا نہیں گیا پھر خاص کر اس صورت میں کہ موہوب لہٗ[علی] رضامند بھی

علی جس کو ہبہ کیا جائے ۱۲۔

سے خود واپس کر رہا ہے تو یہ درحقیقت رجوع ہے ہی نہیں لیکن ان حضرات نے صرف اپنے ایجاب کو مورث شبہ اور صورت رجوع کو مشابہ رجوع حقیقی کے قرار دیکر اس سے احتیاط فرمائی۔

اہل اللہ کی لطافت طبع کی مثال

ان حضرات کی طبیعت ایسی لطیف ہوتی ہے کہ عدم جواز کے شبہ کو بھی گوارا نہیں کرتی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو ناجائز چیز کے ساتھ کرتے ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو معمولی آدمی ہیں کہ کھانے پینے میں صفائی کا چنداں اہتمام نہیں کرتے اور بعض نفیس مزاج ایسے ہوتے ہیں کہ پانی ان کے سامنے ذرا میلے برتن میں بھی لایا جاوے تو ان کی طبیعت اسکو قبول نہیں کرتی حالانکہ پانی میں کچھ میل نہیں ہے مگر برتن کی صورت دیکھکر ان کی طبیعت پانی سے بھی ہٹ جاتی ہے، اسی طرح ان حضرات کا ادراک ہوتا ہے کہ اگرچہ کوئی فعل معصیت نہ ہو لیکن ذرا سا شبہ اور نام معصیت کا اسمیں شامل ہوجانے سے ان کی طبیعت اس سے ہٹ جاتی ہے یہ اس واسطے کہدیا گیا کہ ان پر کوئی ناواقفِ احکام یا غلو فی الدین کا اعتراض نہ کرے۔

ایک اہم تنبیہ

اہل اللہ پر اعتراض نہ کرو ان کی کوئی بات ظاہراً خلاف بھی دیکھو تو جلدی نہ کرو انتظار کرو ان کو حق تعالیٰ نے فہم سلیم دیا ہے وہ نشیب و فراز کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں تھوڑی دیر صبر کرو ان کے فعل میں ضرور کچھ حکمت نکلے گی یہ حضرات دور تک پہنچتے ہیں دیکھئے ان بزرگ کی نظر کہاں پہنچی کہ اس شخص کی تکلیف کا خیال ہوا کہ یہ دوزخ میں جائے گا اور میری وجہ سے اسکو عذاب ہوگا اس واسطے وہ مال اسکو ہبہ کر دیا کیا ٹھکانا ہے اس باریک بینی کا اور اس رحم کا یہ حضرات اپنے اوپر سخت ہوتے ہیں اور دوسرے کے اوپر بے حد نرم دوسرے کی ذرا سی تکلیف بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی۔ اور اگر کہیں سختی بھی کرتے ہیں تو وہ سختی ان کی واقع میں سختی نہیں ہوتی کیونکہ دوسرے کے نفع کے لئے ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ڈاکٹر پھوڑے کا آپریشن کرتا ہے کہ اس سے مریض کو تکلیف ہوتی ہے اور دیکھنے والے بھی اسکو بے رحمی اور قصائی پنا کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض نرم طبیعتیں تو آپریشن کرتے ہوئے دیکھ بھی نہیں سکتیں لیکن در حقیقت یہ بے رحمی نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر جانتا ہے کہ ابھی تو پھوڑا ہے اگر آپریشن نہ کروں گا تو سارا عضو سڑ جائے گا، اور سب کو کاٹنا پڑیگا

تو وہ اس ذرا سے آپریشن کی بدولت سارے عضو کو گھٹنے سے بچاتا ہے تو یہ رحم ہوا یا بے رحمی یہ اگر بے رحمی ہوتی تو مریض کے گھر والے اور ماں باپ اس کو ڈاکٹر کے پاس کیوں لیجاتے اور کیوں فیس دیتے یہ اچھی بے رحمی ہے کہ ہاتھ جوڑتے ہیں اور نخرے اٹھاتے ہیں اور روپیہ خرچ کرتے ہیں اور آپریشن کراتے ہیں ہاں صورت بے رحمی کی ضرور ہے مگر در حقیقت رحم ہی ہے۔ اسی طرح ان حضرات کی سختی ہوتی ہے کہ ظاہراً سختی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت رحم اور ہمدردی ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر آج ایسا نہ کیا جائے گا تو کل کو یہ شخص جہنم میں جائے گا اس واسطے اس تھوڑی سی سختی کو اس کے واسطے پسند کرتے ہیں جسکی بدولت وہ دائمی عذاب سے بچ جاتا ہے اور سچی بات چھپی بھی نہیں رہتی ان کا برتاؤ کسی کے ساتھ کیسا ہی روکھا ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اسمیں نفسانیت نہ تھی بلکہ محض للہیت اور ہمدردی ہی تھی اس واسطے یہ روکھا برتاؤ بھی کسیکو ناگوار نہیں ہوتا اور خواہ مخواہ اسکے پاس دوڑ دوڑ کر آتے ہیں اور ہاتھ جوڑتے ہیں کہ میرے اوپر بھی سختی کیجئے کیونکہ جان جاتے ہیں کہ ان کی سختی بھی نرمی ہے غرض ان حضرات کو اس قدر ہمدردی ہوتی ہے کہ ان بزرگانے

اپنی ساری عمر کی کمائی صرف اتنے سے خیال پر چھوڑ دی کہ اس بدو کو عذاب ہوگا سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ ہیں اخلاق حقیقی ایسے لوگ باتیں بنانے والے اور تیز طرار اور چرب زبان نہیں ہوتے ظاہر میں روکھے اور کم عقل معلوم ہوتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کیسے رو ہوتے ہیں کہ ساری عمر کی کمائی ایک بدو کو دیدی اور عاقل و فہیم کیسے کہ کہاں نظر پہونچی ان کو اخلاق کہنا چاہیئے یا آجکل کی طرح آؤ بھگت کرنے اور بار بار جھکنے اور آداب و تسلیمات کو۔ یہ تو اس گاڑیبان کی سی تواضع ہے۔ جس کو گنوار کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تعلیم یافتہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اہل اللہ کے حالات کو پڑھئے تو معلوم ہو کہ اخلاق ایسے ہوتے ہیں کہ تیز مزاج بی بی کے ساتھ ساری عمر نباہ دی اور دوسرے کی اس مصیبت کو پسند نہ کیا۔ اور ایک عورت سے پیغام دینے پر نادم ہوئے کہ وہ علم الٰہی میں دوسرے لیئے تھی اور بازار کی روٹی کھانے کو پسند نہ کیا کہ یہ بہت سے حاجتمندوں کے لئے حسرت کا باعث ہوئی ہے یہ سب بیان استطراداً آگیا بیان یہ تھا کہ ع کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر۔ اور اس سپاہی کی مثال دی گئی تھی جس نے پانچ ہزار روپیہ کمایا اور سب سرائے کی کوٹھری کی آرائش میں لگا دیا اور وقت ختم ہونے پر بھٹیاری نے نکال باہر کیا اب یہ بال بچوں کے پاس پہنچے تو ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بازار میں گئے تو دیکھ دیکھ کر حسرت ہو رہی ہے حسرت

پر ایک قصہ چھڑ گیا تھا اس کے مناسبت سے دوسرا تیسرا قصہ آگیا اور بات کہیں سے کہیں پہونچ گئی مگر خیر کچھ حرج نہیں کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوا بہت سی کام کی باتیں کانوں میں پڑ گئیں۔ مقصود یہ تھا کہ آخرت ایک بازار ہے اور اس کا سکہ اعمال ہیں اگر یہ سکہ پاس نہ ہوگا تو آدمی کس چیز سے وہاں کی نعمتوں کو خریدے گا ہمکو اس سکہ کے فراہم کر لینے کی پرواہ نہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب دنیا کی سرائے میں لگائے چلے جاتے ہیں۔ تو ہماری حالت اسی مسافر کی سی ہے۔ جس نے ساری کمائی سرائے کی کوٹھری میں لگادی اور گھر گئے تو کچھ بھی نہ تھا خوب سمجھ لو کہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے بلکہ سرائے ہے اسمیں اس سے زیادہ نہ لگاؤ جتنا تمہارے ایک رات کے بسر کرنے کیلئے کافی ہو ہمارا گھر وہ ہے جو دار السلام ہے، وہاں کے واسطے کچھ جمع کر لو۔ دنیا تو بہت ناقص گھر ہے یہ گھر راحت کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ آخرت البتہ کامل گھر ہے اور راحت کا گھر اور دار السلام ہے اس کو حق تعالیٰ جیسے علیم وقدیر نے امن و سلامت عن الآفات کے لئے بنایا ہے۔ اس میں کوئی بھی آفت عادی[1] اور غیر عادی اور موجودہ اور مفروضہ کوئی بھی نہیں ہوسکتی حق تعالیٰ کو اس کے موضوع کا علم بھی محیط و کامل ہے اور اسکو

---

[1] اس کی عادت ہو یا نہ ہو ۱۲

مع تمام متعلقات کے موجود کر دینے پر قدرت بھی کامل ہے پھر ان کو دار السلام فرمایا ہے تو اس میں بتلا دیا کہ وہ گھر سلامت عن الآفات کے لئے کامل مکمل گھر ہے اسی مضمون کو فرماتے ہیں لھم دار السلام عند ربھم۔ یہاں تک کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ جنت امن و امان کا کامل گھر ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ ثمرہ ہے اعمال کا۔ بنا (بنیاد) اس ثمرہ کی اعمال پر ہے تو جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ثمرہ ہوگا چنانچہ کل میں نے بیان کیا تھا کہ اسلام کے مراتب ہیں کیونکہ اسلام نام ہے مجموعہ اعمال صالحہ کا اور اعمال ہی سے اسکا کمال ہوتا ہے اور اعمال میں مراتب ہیں تو اسلام میں بھی مراتب ہوئے پس جیسا اسلام ہوگا ویسا ہی ثمرہ ہوگا اسلام کامل ہے تو ثمرہ بھی کامل ہوگا اور ناقص ہے تو ثمرہ بھی ناقص ہوگا۔

اسلام کامل کے ثمرات

پس اسلام اور اعمال کی تکمیل کا اہتمام کرو تاکہ ثمرہ کامل میسر ہو اب ثمرہ کے کامل ہونے کا بیان سمجھئے ثمرہ کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اولاً اور بلا عذاب ملے یعنی قیامت کے دن ابتداءً بخشش ہو جائے اور ذرا بھی عذاب نہ اٹھانا پڑے یہ ثمرہ اسلام کامل ہی پر مرتب ہوگا اور اگر اسلام ناقص ہے تب بھی نفس ثمرہ تو مرتب ہوگا کیونکہ اسلام تو ہے ہی مگر نقصان کے ساتھ وہ

نقصان یہ ہے کہ چند روز دوزخ میں جھلس کر جنت ملے گی اور ایک نقصان ثمرہ کا یہ بھی ہوگا کہ گو جنت ابتداءً مل جائے لیکن اگر اعمال اعلیٰ درجہ کے نہیں ہیں تو وہ مرتبہ جنت میں نہیں ملے گا جو اعلیٰ درجہ کے اعمال پر ملتا ہے۔ یہ بھی ایک نقصان ہے مگر اس پر مت بیٹھ رہنا کہ چند روز دوزخ ہی میں رہ کر جنت مل جاوے گی یا گھٹیا درجہ ہی ملجائیگا اعلیٰ درجہ کا حوصلہ کیوں نکرو دنیا میں کوئی اس پر قناعت نہیں کرتا کہ آدھی روٹی کھا کر بیٹھ رہے دنیا میں تو پیٹ سے بھی زیادہ کھانا چاہتے ہیں خصوصاً پرائے گھر میں چنانچہ عادت ہے کہ باہر کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے

ایک شبہ کا حل

اور یہ کوئی برا بھی نہیں ہے یہ حرص میں داخل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گھر تو روزمرہ کھاتے ہی ہیں دونوں وقت کا یہ مشغلہ ہے تو کھانا کھانا گھر پر کوئی نیا کام نہیں ہے اور جو کام روزمرہ کا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رہتی اور اگر اس میں کوئی نیا رنگ آجاتا ہے تو اس میں دل لگتا ہے اسی کی ایک فرع ہے باہر کا کھانا کہ فی الجملہ نئی سی بات ہے اس واسطے طبیعت کو اسکی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے نیز یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں کھانا پکتے ہوئے دیکھنے سے بھی طبیعت بھر جاتی ہے۔ اس واسطے بھی کم کھایا جاتا ہے۔

بعض مذاہب کا ایک فقہی مسئلہ

اسی پر بعض مذاہب کے فقہار نے ایک مسئلہ کو مبنی کیا ہے مگر اس کے قبل ایک قاعدہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز چھین لی اور پھر کسی طرح واپس کردی اس صورت سے کہ مالک کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ چیز اصل میں میری تھی تب بھی یہ رد صحیح ہوگیا اور اسکا ذمہ اس مغصوب سے بری ہوگیا گناہ نہیں رہا البتہ اس کے رد صحیح ہونے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چیز بجنسہ واپس کی ہو نہ ایسا جیسے کہ آجکل لوگ بہنوں کا حصہ غصب کرتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے اور اسکو ادا اس طرح کرتے ہیں کہ بھات میں اور دیگر رسوم میں روپیہ لگا دیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہوگیا اتنا ہم نے لیا بھی نہیں تھا جتنا ان کو لگا دیا اس سے ان کا حق ادا نہیں ہوا اور رسم کی بدعت علیحدہ رہی خدا جانے اس سے کیا نفع ہے کہ خرچ اتنا ہی ہوجاتا ہے مگر بے قاعدہ اور شریعت کے خلاف اگر یہی خرچ قاعدہ کے موافق ہوتا تو حق بھی ادا ہوجاتا اور کوئی گناہ بھی نہ ہوتا اب اسے جسطرح خرچ کیا ہے اس سے نفع تو کچھ بھی نہیں اور گناہ مفت میں کمایا۔ اور رسوم کی یہی حالت ہے کہ دنیا کا بھی نقصان کیونکہ خرچ بہت ہوتا ہے اور آخرت کا بھی نقصان کیونکہ گناہ ہوتا ہے اور کیسی کیسی بیہودہ رسمیں

ہیں۔ بھات چھوچھک چوتھی چالا ان کے ناموں ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ اور نام بتلا رہے ہیں کہ ہنود کی رسم ہے غرض جو لاگت بھات میں لگائی گئی اس سے وہ مغصوب ادا نہیں ہوا کیونکہ وہ چیز بجنسہ واپس نہیں کی گئی دہنس کر فرمایا واجب تو گیہوں اور روپیہ تھا، اور دیا گیا بھات، غرض یہ ادا نہیں ہوا، البتہ اگر اطلاع کر کے اجازت لیجاوے یعنی صاحب حق سے یوں کہا جاوے کہ تمہارا اتنا روپیہ یا فلاں چیز میراث میں کی ہمارے ذمہ ہے اس کی جگہ اگر تم منظور کرو تو ہم یہ چیزیں جو بھات میں دی جاتی ہیں اگر وہ بخوشی منظور کرے تو حق ادا ہو جائے گا لیکن اسمیں بھی شرط یہ ہے کہ یہ اطلاع تنہائی میں کیجائے یہ نہیں کہ مجمع میں اس سے کہا جائے کہ شرما حضوری اس کو مان لیں غرض اس طرح سے اجازت لیجائے کہ بالکل طیب خاطر سے اور بلالحاظ کسی کے وہ مان لے حتیٰ کہ اگر نقد روپیہ بھی اس کے سامنے رکھدیں تب بھی اس چیز کو نقدپر ترجیح دے تب یہ اجازت معتبر ہے ورنہ بلا طیب خاطر اجازت معتبر نہیں جب یہ قاعدہ سمجھ میں آگیا اب وہ مسئلہ سنئے کہ اگر کسی نے کھانا کسی سے غصب کر لیا اور بلا اطلاع اسطرح واپس کر دیا کہ اسی کو کھلا دیا تو بعض ائمہ کے نزدیک یہ ادا نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ اگر اسکو معلوم ہوجاتا کہ یہ میرا کھانا ہے تو کم کھاتا اور کچھ بچا لیتا اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ عادت عامہ یہی ہے کہ آدمی اپنا کھانا کم کھاتا ہے اور دوسرے کے گھر زیادہ کھاتا ہے۔ مگر ہمارے فقہائے کہا ہے کہ ایسے حبشیوں کی عادت کا اعتبار نہیں جو دوسرے گھر خواہ مخواہ زیادہ کھاجاتے ہیں اس لئے یہ غصب ادا ہوجائے گا میں ان دونوں قوموں میں تطبیق دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں اکثر لوگ حریص تھے اور اپنے گھر اور دوسرے کے گھر میں چنداں فرق نہ کرتے تھے لہذا اس وقت کے مناسب یہ فتویٰ تھا کہ اس صورت میں غصب ادا ہوگیا اور اب لوگ حریص ہیں اپنے گھر میں اور پرائے گھر میں ضرور فرق کرتے ہیں کہ دوسرے کا کھانا ضرور زیادہ کھائینگے اور اپنا کھانا کم خرچ کریں گے اور بچائیں گے لہذا آجکل فتویٰ اگر یہی ہو کہ اس کا کھانا اسی کو کھلا دینے سے غصب ادا نہ ہوگا تو گنجائش ہے کیونکہ اس کا نقصان ہوا اگر اس کو معلوم ہوجاتا کہ یہ میرا کھانا ہے تو ضرور اسمیں سے کچھ بچاتا،

ایک لطیفہ اس پرائے کھانے پر ایک قصہ یاد آگیا کسی شخص کو اس کے دوستوں نے تنگ کیا کہ ہماری دعوت کر جب اسکا کوئی عذر نہ سنا گیا اس نے منظور کیا مگر یہ کہا کہ دعوت میں عمدہ پوشاک اور عمدہ جوتے پہنکر آنا جب سب جمع ہوگئے اس نے کیا کیا کہ ان کی جوتیاں اوٹھا کر حلوائی کے یہاں گرو رکھدیں اور عمدہ عمدہ مٹھائیاں لاکر سامنے

رکھدیں اور سب نے ملکر مفت کا مال سمجھکر خوب مزے سے کھائیں اور تعریف کرتے جاتے تھے کہ بڑی نفیس مٹھائی کھلائی وہ جواب میں کہتا حضرت آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے مہمان سمجھے کہ تواضعاً کہہ رہا ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ سب آپ ہی کا ہے کہ اس کے معنی حقیقی مراد نہیں ہوا کرتے بلکہ اپنے مال کو مخاطب کیطرف تواضعاً منسوب کردیا کرتے ہیں۔ جب مہمان وہاں سے اٹھے تو دیکھا جوتیاں ندارد کہنے لگے خدا جانے جوتیاں کیا ہوئیں کہا حضرت میں نے تو پہلے ہی عرض کردیا تھا کہ حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اب وہ سمجھے کہ یہ لفظ تواضعاً نہ تھا بلکہ معنی حقیقی پر محمول تھا اب مزہ معلوم ہوا اچھے اچھے کھانوں کا۔ یہ چند مضامین اس لفظ پر ضمناً آگئے تھے کہ خصوصاً پرائے گھر میں، اصل مقصود یہ تھا کہ دنیا میں جب ادنیٰ ثمرہ پر اکتفا نہیں کرتے تو وہاں کے ثمرات کے درجۂ کامل کو کیوں نہیں طلب کرتے اور یہاں تو معطی[1] کا کرم محدود ہوتا ہے اسلئے بعض اوقات زیادہ طلبی ناگوار ہونے لگتی ہے اور وہاں تو معطی وہ ذات ہے جس کا کرم غیر محدود ہے کماً بھی کہ جتنا زیادہ لو خوش ہوتے ہیں اور کیفاً بھی،

حقتعالیٰ کا لاجواب کرم

چنانچہ ایک کرم یہ بھی ہے کہ جہاں ثمرات کا وعدہ کیا ہے

[1] دینے والا ۱۲

وہاں یہ بھی کہتے جاتے ہیں جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور اِنَّ ھٰذَا
كَانَ لَكُمْ جَزَاءً تاکہ بندہ شرمندہ نہو چنانچہ خود اس آیت میں بھی
ہے جسکا بیان ہو رہا ہے وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، اور جابجا
اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں جنکا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں جو کچھ
درجات اور نعمتیں ملیں گی وہ سب مومنین کے اعمال کا صلہ ہے یہ
غایت کرم ہے کہ خود نعمتیں دیتے ہیں لیکن احسان جتلانا نہیں
چاہتے ایسے موقع پر بھی کوئی چوک جائے تو بڑا ہی کم قسمت ہے
سچ تو یہ ہے کہ ایسی جگہ تو لوٹ مچانی چاہئے قناعت چہ معنی دنیا دارالعمل[1]
ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ثمرات کی سندیں ایک جگہ تیار کرکے رکھ
دی ہیں، اور اذن عام دیدیا ہے کہ جتنے چاہو لو اور ثمرات بے
تعداد لوٹ لو پھر حیرت ہے کہ آدمی کیوں نہ لے اور کیوں بڑھ
کر ہاتھ نہ مارے اور کیوں کامل درجہ کی کوشش نہ کرے ادنیٰ درجہ
پر بس کرکے کیوں بیٹھ رہے یا اتنی ہمت کیوں ہارے کہ کچھ نہ اب
ہی بھگت کر جنت مل رہے گی، کامل درجہ کیوں نہ حاصل کرے
کہ جنت ابتداءً اور بلا عذاب ملے - یہ بیان ہوا لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ
کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کے معنی یہ ہیں کامل سلامتی کا گھر - لفظ دارالسلام
ہی اس کمال پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ اول تو
سلام مطلق ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پھر دار کے

[1] - عمل کی جگہ ۱۲ [2] عام اجازت ۱۲

لفظ کو اس کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو محاورہ کے اعتبار سے
اس معنیٰ کو مفید ہے اور مراد اس سے جنت ہے جسکو حق تعالیٰ نے
کامل امن کا گھر بنایا ہے۔ وہاں خوف وخطر کا نام بھی نہیں آگے
عند ربھم کو سمجھئے اسکے معنیٰ ہیں ان کے رب کے پاس مراد اس
سے فی الآخرۃ ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ان کو دار السلام ملے گا آخرت
میں اسکی بیان کروں گا کہ عند ربھم سے مراد دار آخرت کیلئے ہوا نیہ نگ
لفظی معنیٰ تو یہ ہیں کہ ان کے خدا کے پاس۔ بات یہ ہے کہ ترجمہ
کرنے کے لئے قرآن کے محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے
میں نے جس بنا پر اسکا ترجمہ دار آخرت کیا ہے وہ آگے بیان کرونگا

لفظ عند کے معنیٰ

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ عند ربھم کا اطلاق
متعدد معانی پر آتا ہے چنانچہ ایک
معنیٰ اور بھی ہیں چونکہ اس کی تحقیق اہل علم کے سمجھنے کی قابل
ہے اس لئے اسکو بھی بیان کرتا ہوں اس معنیٰ میں عند اس آیت
میں ہے۔ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ
الْكٰذِبُوْنَ، یہ آیت حضرت عائشہ کے افک کے قصہ میں ہے
قصہ طویل ہے اسکا بیان کرنا یہاں ضروری نہیں جتنا جزو
اس قصہ کا یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کو منافقین نے متہم کیا کئی دن تک اسکا بہت
چرچا ہوا آخر ان کی برات حق تعالیٰ نے قرآن میں اتاری اور

منافقین کے بکواس کو رد کیا اس رد میں یہ آیت بھی ہے فَاِذْا لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَاءِ فَاُولٰئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ گواہ نہیں لا سکے لہذا یہ خدا تعالی کے نزدیک جھوٹے ہیں اسکا مدلول یہ ہوا کہ ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ چار گواہ نہ لا سکے اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کذب کس کو کہتے ہیں سب جانتے ہیں کہ کذب کے معنی حکایت خلاف واقع کے ہیں یعنی ایک کام واقع میں نہیں ہوا اور بیان کیا کہ ہوا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شہادت نہ لا سکنا مستلزم کذب ہے۔ اب فرض کیجیے کہ ایک شخص نے کسیکو حرام کرتے دیکھا اور اسکی حکایت بیان کی مگر گواہ نہ لا سکا تو اس آیت کی بموجب تو وہ کاذب ہے لیکن یہ حکایت مطابق واقع کے ہے اس پر تعریف کذب کی صادق نہیں آتی اور آیت اس کو کاذب کہتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ آیت میں عند اللہ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالی کے نزدیک اور بلفظ دیگر حق تعالی کے علم میں۔ اور یہ مقدمہ مسلم ہے کہ حق تعالی کا علم واقع کے مطابق ہے ورنہ علم صحیح نہ ہوگا تو عند اللہ کے مفہوم پر آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص جس نے حرام کو دیکھکر حکایت بیان کی واقع میں بھی جھوٹا ہے یعنی اس نے واقع میں حرام نہیں کیا۔ کیونکہ علم الہی میں اس کو کاذب قرار دیا گیا ہے اور

علم الٰہی مطابق واقع کے ہوتا ہے تو اب یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ
علم الٰہی خلاف واقع ہے یہ ایک سخت اشکال ہے قرآن پر مگر
الحمد للہ حق تعالیٰ نے اسکا بہت سہل جواب دل میں ڈال دیا جس؏
کو سننے کے بعد یہ معلوم ہو گا کہ اشکال کچھ بھی نہ تھا اسکی بنا اسی
پر ہے کہ قرآن میں محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے صرف
لفظی ترجمے اور لغت پر نہ رہنا چاہیئے ایک لفظ کے لغوی معنی ایسے
ہوتے ہیں کہ اس سے مخاطب کو کوئی بات قابل شرح صدر حاصل
نہیں ہوتی اور اسی کے ساتھ محاورہ کی رعایت کر دی جائے
تو بالکل اطمینان ہو جاتا ہے اور سننے والا پھڑک اٹھتا ہے اور
بہت سے اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ وہ جواب سنیئے وہ یہ ہے
کہ عِنْدَ اللّٰہِ کے معنیٰ یہاں فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ کے نہیں ہیں بلکہ فِیْ قَانُوْنِ
اللّٰہِ کے اور فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ قانون شرعی
اس صورت میں کہ شہادت نہ پہونچ سکی تہمت لگانیوالوں
کے لیئے یہ ہے کہ ان پر حکم کذب کا کیا جائے گا یعنی ان کے
ساتھ کاذب کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ چاہے واقع میں کچھ
بھی ہو۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ اشکال تو یہی تھا
کہ علم الٰہی کے خلاف واقع ہونا لازم آتا ہے اور یہاں علم
الٰہی مراد ہی نہیں صرف یہ معنیٰ ہو گئے کہ قانون ان کو جھوٹا کہیگا

؏ اس کے بعد بعض تفاسیر میں بھی یہ جواب منقول پایا ۱۲ منہ

قانون کی حقیقت

قانون ایک ایسی چیز ہے جسمیں ضابطہ دیکھا جاتا ہے جتنے کچھ قواعد مقرر ہوتے ہیں کہ جب تک ان کی موافق کام نہ ہو. سکو معتبر نہیں مانا جاتا چنانچہ تمام زمانہ کے عقلا کا قانون ہے کہ کوئی بات بے ثبوت نہیں مانی جاتی خواہ واقع میں وہ بات بالکل صحیح ہی ہو اگر یہ قانون نہو تو دنیا کا نظام ہی بگڑ جائے ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کر دے کہ اسنے میرا مال چرایا ہے، بس قاضی کو چاہیے کہ اسپر چوری کا جرم قائم کر دے، اور سزا دے دے دوسرا دعویٰ کر دے کہ اسنے میرے باپ کو قتل کیا ہے بس قاضی فوراً اسکو قصاص میں مار ڈالے تو اسطرح تو ایک دن میں دنیا تہ و بالا ہو جائے دنیا کا نظام قانون قواعد کی پابندی ہی سے رہ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص پر چار آدمیوں نے زنا کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ ہمنے مرد اور عورت دونوں کو ننگے اوپر نیچے دیکھا مگر یہ نہیں کہا کہ دخول ہوتے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور مدعیٰ علیہ پر زنا کو ثابت نہیں کیا بلکہ ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیا اور ان پر حد قذف جاری کی اسکی وجہ کیا ہے یہی کہ ضابطہ پورا نہ ہوا اور شہادت کی جو شرائط تھی ایک جزو اس کا رہ گیا وہ یہ ہے کہ کالمیل فی المکحلہ دیکھا ہو حالانکہ ظاہر

تو یہی ہے کہ جب مرد اور عورت ننگے ہو چکے تھے تو زنا بھی ضرور واقع ہوا جب ایسا موقع تھا کہ ننگے ہو سکے تو زنا سے کون مانع موجود تھا یہ بات بظاہر قریب یقین ہی کے تھی لیکن اس پر بھی جب کہ آنکھ سے دخول ہوتے نہ دیکھا گواہوں پر حد قذف لگائی گئی آجکل لوگ صرف وہم وگمان پر حکم لگا دیتے ہیں اور جو سمجھ میں آتا ہے کسی کی نسبت خیال پختہ کر لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ یہ بلا علما اور مشائخ کے یہاں بہت ہے آجکل حضرت عمر ہوتے تو بکثرت علما اور مشائخ کے دُرّے لگتے، سب کی کرکری ہو جاتی، اور یہ جو بڑے بڑے جبوں اور قبوں میں عیب چھپائے بیٹھے ہیں سب کی حقیقت کھل جاتی اس بات میں بڑی احتیاط چاہیئے کہ دوسرے کی نسبت کوئی بُرا خیال قائم کیا جائے اور زیادہ اہتمام کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہ عادت اور طبعی بات ہے کہ اپنی طرف بُرا گمان کم ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف اچھا گمان کم ہوتا ہے۔ اکثر کوئی شخص جب اپنی طرف دیکھتا ہے تو نظر اپنے ہنروں اور محامد (تعریف) ہی پر پڑتی ہے اور جب دوسرے کیطرف دیکھتا ہے۔ تو اس کے عیبوں اور اور برائیوں پر ہی پڑتی ہے۔ جب یہ طبعی بات ہے تو ان دونوں میں غلطی ہو جانے کا بہت قوی احتمال ہے لہذا سخت اہتمام کی ضرورت ہے کوشش کر کے صحیح طریقہ یہ اختیار کرنا چاہیئے کہ اپنے ہنروں

کو کبھی نہ دیکھے صرف عیبوں ہی کو دیکھے اور دوسرے کے عیبوں
کو کبھی نہ دیکھے صرف ہنروں ہی کو دیکھے بتکلف اسکی نگہداشت
بہت اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنے سے کچھ امید کی جاسکتی ہے
کہ آدمی کی اصلاح ہو جائے غرض بے ثبوت بات کہنے سے گناہ بھی
ہوگا اور قانون شرعی تاوقتیکہ کافی ثبوت باقاعدہ نہ ہو اسکو جھوٹا
ہی کہے گا خواہ وہ بات واقع میں جھوٹی بھی نہ ہو یہ معنی ہیں عنداللہ
کے یعنی فی قانون اللہ تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تہمت لگانے
والے چونکہ اپنے دعوی پر باقاعدہ شہادت نہ لاسکے لہذا وہ قانون
الہی میں جھوٹے کہے جاویں گے اور کذب کے احکام ان پر جاری
ہوں گے، چنانچہ تین صحابی کو جو بھولے پن سے اس قصہ میں شریک
ہو گئے تھے حد قذف لگائی گئی - اور منافقین چونکہ چالاکی سے اس
شرارت میں حصہ لے رہے تھے بقول مشہور ثبوت نہ ہونے سے
دنیا میں حد سے بچ گئے، اور آخرت میں تو مزہ چکھیں ہی گے غرض
اس تقریر کے بعد آیت پر کوئی اشکال نہیں رہا،

فقہ کا مبنی قانون ہے اور فقہ کے بہت سے احکام کا یہی مبنی ہے کہ بسا اوقات
ضابطہ کے درجہ میں ایک حکم کو ثابت مانا جاتا ہے خواہ واقع
میں کچھ بھی ہو مثلاً دو عادل آدمی گواہی دیں کہ ہم نے ۲۹ کو چاند
دیکھا ہے تو اب رمضان یا عید کو ثابت مانا جاوے گا اگرچہ

انہوں نے جھوٹی ہی گواہی دی ہو اسیطرح بسا اوقات ایک
حکم کو منفی مانا جاتا ہے خواہ واقع میں ثابت ہی ہو مثلاً ایک شخص
کا ایک بچہ ہونے پر تہمت لگانے سے لعان ہوا تو اس بچہ کی نسب
کی اس شخص سے نفی کیجاوے گی خواہ وہ واقع میں اسی کا ہو اسکی
صدہا نظیریں موجود ہیں تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں
کیا اس کا کیا علاج کیا جائے بہشتی زیور میں کوئی ایسا
مسئلہ لکھ دینا جرم قرار پاوے اور وہی مسئلہ اور اسکی صدہا
نظیریں عربی کی کتابوں میں لکھی ہوں بلکہ ان کے اردو ترجمے
میں بھی لکھے ہوں تو جرم نہیں،

بہشتی زیور پر اشکال کا جواب

مثلاً بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ عورت
کے بچہ ہوا اور خاوند اسکا مدت سے غائب ہے تو اس بچہ کو ولد
حرام نہ کہا جائے گا اس مسئلہ پر بڑا غل مچا ہے اور لوگوں کو
بڑے بڑے اشکال ہوئے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ
بہشتی زیور میں کسی نے اپنی طرف سے اسکو لکھدیا ہے یا فقہ
کی کتابوں سے نقل کیا ہے کتاب کو تو دیکھ لینا چاہئے تھا اور
کتاب کو بھی نہ دیکھا جاوے تو یہ مسئلہ کوئی چھپا ہوا مسئلہ
نہیں ہے مبتدی طالبعلم بھی اس سے واقف ہیں غرض یہ کہ بہشتی زیور
میں اختراع (اپنی طرف سے) کر کے یہ مسئلہ نہیں لکھا گیا بلکہ فقہ

کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے تعجب اون لوگوں سے ہے جو فقہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی فقہ کی کتاب کے ترجمہ پر اعتراض نہیں کرتے جسمیں یہ مسئلہ لکھا ہے سو بہشتی زیور پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے اگر اعتراض کرنا ہے تو فقہ پر کرو فقہ میں صاف لکھا ہے کہ اس صورت میں وہ بچہ ولد حرام نہیں کہا جائے گا جب تک کہ خاوند انکار نہ کرے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ لعان ہوگا باقاعدہ اسطرح کہ قاضی کے سامنے مقدمہ جائے گا مرد اور عورت دونوں حاضر ہوں گے مرد اس بچہ کی نسب سے انکار کرتا ہے مگر انکار کر کے چھوٹ نہیں جائے گا کیونکہ یہ انکار مستلزم ہے عورت کو حرام کار کہنے کو یعنی زنا کی تہمت لگانے کو اور بچہ کو مجہول النسب کر دینے کو اس کو شریعت نے کوئی معمولی بات نہیں قرار دیا کیونکہ تمام عمر کے لئے ایک عورت بے آبرو ہوتی ہے۔ اور ایک بچہ مجہول النسب بنتا ہے۔ لہٰذا اس مرد سے چار دفعہ قسم لی جائے گی کہ خدا کی قسم میں اپنے اس دعوے زنا میں سچا ہوں اور اتنے پر بھی بس نہیں پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے گا کہ میرے اوپر لعنت ہو خدا کی اگر میں جھوٹا ہوں دیکھئے کس قدر سخت بات ہے۔ کسی کے نسب میں طعن کرنا خیر یہ تو اس مرد

لہ۔ تقاضا کرنے والا ۱۲

کو قسمیں دی گئیں ابھی لعان ختم نہیں ہوا، اب عورت سے کہا جائے گا کہ چار دفعہ اس طرح قسم کھاوے کہ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائیگا کہ خدا کا غضب ہو میرے اوپر اگر یہ سچا ہو،

ایک علمی نکتہ یہاں ایک نکتہ بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مرد سے تو یوں کہلایا گیا کہ لعنت ہو خدا کی میرے اوپر اگر میں جھوٹا ہوں اور عورت سے یوں کہلایا گیا کہ غضب ہو خدا کا، وہاں لعنت کا لفظ اور یہاں غضب کا اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زبان پر لعنت کا لفظ تو کثرت سے چڑھا رہتا ہے حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے زیادہ تر دوزخ میں عورتوں کو دیکھا اور اس کی وجہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا وَتُكْثِرْنَ اللَّعْنَ یعنی تمہاری عورتوں کی عادت ہے کہ لعنت بہت کرتی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کا لفظ ان کی زبان پر عادتاً بہت چڑھا ہوا ہے ہمارے ملک میں بھی کثرت سے عورتوں کی زبان پر یہ الفاظ رہتے ہیں خدا کی مار خدا کی پھٹکار وہی لعنت کا ترجمہ اس لئے لعان کے موقع پر اگر ان سے لعنت کا لفظ کہلایا جائے تو طبیعت ان کی ایسی نہ رکے گی لہٰذا بجائے لعنت کے غضب کے لفظ کو اختیار کیا

گیا۔ واقعی قرآن ایسے متکلم کا کلام ہے۔ کہ اسکو رگ رگ پرزہ پرزہ معلوم ہے۔ اسکو لعان کہتے ہیں اسکے بعد قاضی کہے گا فُرِّقتُ بینکُما۔ یعنی میں نے تم دونوں کو الگ کر دیا اور یہ بچہ اس مرد کا نہیں اب اسکا نکاح اور بچہ کا نسب زایل ہو گیا اور مان لیا جائے گا کہ یہ بچہ اس خاوند کا نہیں ہے اور پھر بھی اس سارے جھگڑوں اور قصوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ بچہ کا نسب اس سے قانوناً ثابت نہ رہا اور میراث وغیرہ کے احکام جاری نہ ہونگے اس کے سوا کوئی اثر نہیں حتیٰ کہ اب بھی یہ کسی کو عمر بھر جائز نہیں کہ اس عورت کو بدکار یا اس بچہ کو ولد الحرام کہے اور کتابوں میں وہ احتمالات بھی لکھے ہیں جنکی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ عورت بدکار نہو اور بچہ ہو جائے مثلاً یہ صورت ہوئی ہو کہ سوتی عورت سے کسی غیر شخص نے جماع کیا اور حمل ہو گیا تو اس وقت میں خاوند بھی سچا ہے کہ اسکا یہ بچہ نہیں ہے اور عورت بھی بے قصور ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا گو اس قسم کے احتمالات بعید ہیں مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں احتیاط کے موقع پر ان کا لحاظ کیا جا سکتا ہے کسی عورت کو تہمت لگانا کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ بڑا کبیرہ ہے اس میں حد درجہ کی احتیاط کرنا ضروری ہے شریعت نے اس بارہ میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے اور اگر اس صورت میں بھی

جبکہ خاوند نے بچہ کے نسب سے انکار کیا ہے اور اس سے لعان کو کہا گیا اور اس نے منظور نہ کیا تو باوجود انکار کے بھی بچہ اسی کا کہا جاوے گا اور قاضی اس انکار کو نہیں مانیگا اور بچہ کو مجہول النسب نہیں کہے گا اور تمام احکام نسب کے جیسے میراث وغیرہ سبکو جاری کرے گا۔ غرض جبتک لعان نہ ہو اس وقت نسب ثابت رہے گا خواہ خاوند حاضر ہو اور نسب کی نفی کرے اور خواہ غائب ہو ہر حالت میں نسب ثابت ہوگا اور ثابت ہونے کے معنی وہی ہوںگے جو اوپر معروض ہوئے کہ قانوناً ثابت ہوگا مگر لوگوں کے ایسے مذاق بگڑے ہیں کہ یہ مسئلہ سنکر ہی فوراً ایسے بیجا اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرد دس برس سے باہر ہو اور پھر بھی یہ بچہ اسکا کہا جائے اس اعتراض کی وجہ درحقیقت تو یہ ہے کہ دنوں میں خوف خدا اور دین سے مس[1] اور احکام شرعی کی پرواہ نہیں ہے زبان سے جو چاہا کہہ دیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت نے اس بارہ میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ فراش کے ہوتے ہوئے نسب کو دوسری طرف نہیں لیجا سکتے یعنی جبتک کہ میاں بیوی کا تعلق موجود ہے نسب کو ثابت ہی کہیں گے رہی یہ بات کہ خاوند دو برس سے باہر ہے یہاں

[1] تعلق ۱۲

اس سے بچہ کیسے ہو گیا یہ بعید بلاشبہ ہے مگر ادھر گناہ جو موجود ہے کسی عورت کو حرام کار کہنا اور کسی آدمی کو مجہول النسب کر دینا سخت کبیرہ ہے اس کے حرام کار ہونیکا ثبوت کوئی کہاں سے لائے گا اس واسطے بعید سے بعید صورت بھی ایسے موقعہ پر مان لیجا سکتی ہے چنانچہ اسکی بعض صورتیں جو ممکن ہیں کتابوں میں لکھی ہیں مثلاً استخدام جن سے ایسا ہو سکتا ہے یعنی کسی کے جن تابع ہو اس نے عورت کو وہاں پہونچا دیا یا مرد کے یہاں لے آیا یا یہ کہ جن نے بوجہ عداوت ایسا کیا کہ بدنام کرنے کو عورت کو مرد کے پاس پہونچا دیا یا مرد کو عورت کے پاس پہونچا دیا اور حمل ہو گیا اور بچہ ہوا جنوں کا وجود ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح عداوت بغض وغیرہ اخلاق رذیلہ رکھتے ہیں تو اگر کسی جن کو کسی عورت سے عداوت ہو اور وہ ایسا کر گذرے اس غرض سے کہ عورت بدنام ہو جائے تو کیا عجب ہے یہ صورتیں بعید اور بہت بعید سہی مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں پھر جب ایک صورت ممکن ہے تو کس طرح کسی کو تہمت لگائی جائے یہ حیلے بھی میں نے نہیں تراشے بلکہ انہی کتابوں میں لکھے ہیں جن سے بہشتی زیور ماخوذ ہے اور جو معترض کے نزدیک

جن سے خدمت لینا ۱۲

بھی مسلم ہیں سو جو کچھ اعتراض کرنا ہو ان کتابوں پر کیجئے اور جو کچھ تعجب ہو وہ ان کتابوں پر ہونا چاہیئے نقل کرنے والا کسی بات کا ذمہ دار نہیں اور کسی اعتراض کا دفع کرنا اس کے ذمہ نہیں غرض کتب فقہ سے اور ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اس صورت میں کہ مرد دس برس سے باہر ہے اور اسکی عورت کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مجہول النسب نہیں ہے بلکہ اس کا نسب اسی شخص سے مانا جاوے گا اور تمام احکام نسب کے جاری ہوں گے۔ اس مسئلہ میں تعجب کیا جاتا ہے کہ یہ کیسا حکم ہے سو اس تعجب کا رفع کرنا گو کسی طرح ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر میں تبرعاً اسکو بھی حل کررہا ہوں کہ اس کہنے کا کہ یہ بچہ اس خاوند کا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقت میں اسکا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ قانون میں اس کا ہے اب سارے اشکال اور تعجب رفع ہوگئے اور نسب جب ثابت ہوگا اس کا ثبوت قانونی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی بنا بالکل ایک خفی امر یعنی جماع پر ہے لہذا اس کے ثبوت کے لئے اس کے ظاہری ذریعہ ہی کو کافی مانا جاوے گا یعنی نکاح کو۔

ثبوت نسب کا شرعی اور قانونی ہونا

اور میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جسکو بالاتفاق صحیح النسب کہا جاتا ہے اور اسکو اس کے باپ

کیطرف منسوب کرتے ہیں اسمیں بھی تو یہی ماننا پڑتا ہے کہ ظاہری سبب یعنی نکاح موجود ہے اسوجہ سے حقیقی سبب یعنی جماع کو بھی مان لیا گیا اور اسکی نسبت ناکح کی طرف کی گئی اور اس کو باپ کہا گیا ورنہ یہ علم کیسے ہوا کہ وہ بچہ واقع میں کسکا ہے حقیقی سبب کو تو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ خاوند کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے کا حمل ہو گیا۔

ایک صحابی کا اثر

اسی معنی کر تو عبداللہ بن سلام اس آیت کے متعلق کہتے ہیں،

یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (بوجہ دلائل قویہ کے) ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں تو ہمکو کوئی شبہ بھی ہے اننا لاندری ما تصنع نساءنا یعنی ہمکو کیا معلوم ہے کہ ہماری عورتیں کیا کیا خیانت کرتی ہیں ہمارے پاس اس کی کونسی قطعی دلیل ہے کہ ہمارے بیٹے ہمارے ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور حضور کی نبوت پر ہمارے پاس قطعی دلیلیں موجود ہیں جنمیں شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض علم یقینی اسکا کسیطرح نہیں ہوسکتا کہ یہ بچہ اپنے باپ ہی کا ہے اسکا علم تو اللہ میاں کو ہے یا میاں بی بی کو ہے باقی دوسرے

لوگ جسکو صحیح النسب مانتے ہیں اسکی نسبت کونسا علم یقینی رکھتے ہیں بجز اس کے کہ اس قاعدہ کو مان لیں کہ جائز طریقہ اور ذریعہ نسب کا ہوتے ہوئے کسی کی طرف بدگمانی جائز نہیں اور بشرط امکان نسبت باپ ہی کیطرف کی جائیگی اور امکان اس صورت متکلم کا اوپر ثابت ہو چکا ہے اور یہی مطلب ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشْ کا لیجئے عقلاً ثابت ہو گیا کہ شرعی اصول کسقدر صحیح ہے اب تو معترض کو لینے کے دینے پڑ گئے ہوں گے کیونکہ اس شبہ سے تو اپنے ہی نسب میں کلام ہو گیا ذرا سوچ سمجھ کر بات کہنی چاہیئے شریعت کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے غرض نسب کے بارہ میں سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جائز ذریعہ ہوتے ہوئے اس کو باپ کے ساتھ ملحق کرنا چاہیئے خواہ حقیقت میں کچھ ہی ہو اب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس کے معنی کیا ہیں کہ وہ بچہ جسکا باپ مدت سے غائب ہے اسی باپ کا ہے وہ معنی یہی ہیں کہ قانون میں اسکا بیٹا ہے گو حقیقت میں کچھ بھی معلوم نہیں،

قانون نہ ہو تو سب کام بگڑ جائیں اور قانون بھی بڑی چیز ہے اگر ہر بات میں

واقعیت پر نظر رکھی جائے تو دنیا کا کام چل ہی نہیں سکتا کسی کو کسی مال کا مالک کہا جاتا ہے تو گویا اسکا ... ...

ہے جسمیں جانب مخالف کا احتمال ہی نہو بہت سے بہت یہ کہ مثلاً جائداد کی تحریر یعنی بیع نامہ موجود ہے مگر کیا اسمیں کسی درجہ میں یہ احتمال نہیں ہے کہ فرضی اور جعلی ہو ایسے تو واقعات بہت ہوتے ہیں کوئی شاید کہے کہ رجسٹری شدہ ہے اور سرکاری مہر اس پر موجود ہے میں کہتا ہوں کہ اسمیں بھی کسی درجہ میں احتمال نکالا جا سکتا ہے کہ رجسٹرار نے کوئی رقم کثیر لیکر مہر لگادی ہو اب شاید کسی کو خیال ہو کہ اس پر شہادتیں موجود ہیں میں کہتا ہوں جیسے بیع نامہ بن سکتا ہے شہادتیں بھی بن سکتی ہیں۔ غرض احتمال کو بڑی گنجائش ہے کوئی کام دنیا کا ایسا نہیں ہے جسکے ثبوت میں کوئی قریب یا بعید احتمال نہ نکالا جا سکے سو اگر واقعیت پر نظر رکھی جائے تو تمام کام بند ہو جائیں لامحالہ قانون ہی کو اختیار کرنا پڑے گا،

ع۱۔ یہ ایک مختصر سی گفتگو ہے جو مابین کاتب وعظ اور ایک نئے خیال کے شخص کے مسئلہ ثبوت نسب کے متعلق ہوئی حضرت والا نے سنکر اس کو پسند فرمایا اسوجہ سے بطور حاشیہ درج کیجاتی ہے۔ بابو صاحب سے مراد وہ شخص ہیں

سوال از بابو صاحب بہشتی زیور میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ایک عورت کا خاوند مدت سے باہر ہو اور یہاں اس کے بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کو ولد حرام نہ کہا جاوے گا، بلکہ اس کا نسب اسکے خاوند ہی سے ثابت مانا جاویگا

یہ مسئلہ بالکل عقل کے خلاف ہے۔

جواب از کاتب - اگر یہ صورت آجکل پیش آوے کہ ایک عورت میرٹھ میں ہے اور خاوند اس کا دس برس سے کلکتہ میں ہے اور وہ امیر کبیر ہے اور یہاں اس عورت کے بچہ پیدا ہوا پھر کلکتہ سے معتبر ذریعہ سے اس شخص کے مرنے کی اور بہت سامال چھوڑنے کی خبر آئی اور مقدمہ عدالت انگریزی میں پہونچا تو عدالت انگریزی اس بچہ کو وارث قرار دیگی اور میراث دلائے گی یا نہیں۔ اگر دلائے گی تو کیوں،

بابو صاحب: - دلائے گی وجہ اسکی یہ ہے کہ جائز وارث اس شخص کا یہی ہے۔ اس عورت سے نکاح اسکا ثابت ہے۔ اور اس کے بطن سے یہ پیدا ہوا ہے کہنے کو تو یہی ہے کہ یہ اسکا بیٹا ہے۔ اور کسیکو وارث قرار دے تو کسوجہ

کاتب: - جب غائب خاوند سے بچہ کا پیدا ہونا عقل کے خلاف ہے تو اس کا وارث کرنا دلیل عقلی سے باطل ہوا تو میراث دلانا بے عقلی کی بات ہوئی تو عقلاء کا قانون اس کو کیسے مانتا ہے۔ اور یہ کہنا جائز وارث اس کا یہی ہے غلط ہے بجائے اسکے یہ کہنا چاہئے کہ یہ تو ناجائز وارث ہے۔ اس لئے میراث کسی محض اجنبی اور غیر شخص کو کیوں نہ دلادی جاوے کیونکہ اس بچہ کے نسب کے ثابت نہ ہو سکنے پر تو دلیل عقلی موجود ہے آپ فرما ہی چکے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہے اور اجنبی شخص کے وارث ہونے پر کوئی دلیل عقلی موجود نہیں ممکن ہے اس سے کوئی خفی قرابت ہو اور ظاہر ہے کہ دلیل عدم مانعیت میں اقوی ہے عدم دلیل سے لہذا بجائے اس بچہ کے اجنبی شخص کو میراث دیجاوے،

بابو صاحب۔ ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ مگر ایسا کسی قانون میں بھی نہیں ہے۔ ہر قانون اس صورت میں اس بچہ ہی کو وارث مانے گا،

کاتب۔ بس معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ محض شرعی نہیں ہے۔ بلکہ عقلی بھی ہے جس کے بنار کا حاصل یہی ہے الولد للفراش پھر بہشتی زیور پر کیا اعتراض۔ اول تو بہشتی زیور پر اعتراض کسیطرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ بہشتی زیور میں یہ مسئلہ اختراع کر کے نہیں لکھا گیا بلکہ فقہ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے تو فقہ پر اعتراض کرنا چاہیے۔ مگر تبرعاً جواب بہشتی زیور کی طرف سے دیدیا گیا اور فقہ کی کتابوں کی طرف سے بھی جواب ہو گیا۔

بابو صاحب:۔ کچھ بھی سہی مگر یہ مسئلہ دل میں کھٹکتا ہے اور اسمیں یہ خرابی ہے کہ عورتوں کو تو خوب آزادی ملجاوے گی کہ خاوند کے غیبت میں بچے جنے جاؤ اور کوئی ان بچوں کو حرامی نہیں کہہ سکتا نہ عورت کو بدکار کہہ سکتا ہے

کاتب۔ اس کھٹک کو دور کرنا صرف ہمارے ہی ذمہ نہیں آپ کے ذمہ بھی ہے۔ کیونکہ جب قانون انگریزی کا نام آگیا تو آپ نے بھی مان لیا رہی عورتوں کی آزادی تو ایسی آزادی تو خاوند کے موجود ہوتے ہوئے بھی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ہے۔ کیونکہ خاوند کے ہوتے ہوئے عورت کو خاطر خواہ موقعہ ہے، حرام کرنے کا، غیبوبت میں تو یہ خیال بھی مانع ہو سکتا ہے، کہ اگر حمل ہو گیا اور بچہ ہوا تو انگشت نمائی ہوگی، کیونکہ عوام تو ایسے باریک مسائل کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں اور جب خاوند ہے تو کچھ بھی کھٹکا نہیں حمل پر حمل رہا کرے، انگشت نمائی کا موقعہ ہی نہیں چنانچہ خانگی

عورتیں بہت سی اسمیں مبتلا ہیں تو اسکا کیا علاج کیا جائے سوائے اسکے کہ نکاح کی رسم ہی اٹھا دیجاوے تاکہ جب کسیکو حمل ہو فوراً معلوم ہو جاوے کہ حرام کا ہے۔ مگر اسمیں سلسلۂ دنیا ہی منقطع ہوتا ہے تو اب کوئی اور تدابیر نکالیئے جس سے سلسلہ بھی منقطع نہ ہو اور آزادی بھی نہ رہے۔

بابو صاحب: ان سب باتوں کا جواب تو میرے پاس کچھ نہیں مگر تشفیٔ خاطر نہیں ہوئی۔

کاتب: ہاں یہ سب جواب الزامی ہیں، رفع اعتراض کے لیئے کافی ہیں مگر جواب الزامی سے تشفی واقعی نہیں ہوتی۔ اگر انصاف کے ساتھ سنیئے تو جواب تحقیقی بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ سے غرض شریعت کی عورتوں کو آزادی دینا نہیں ہے۔ اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس سے کوئی تعرض نہ کرے بلکہ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ ہر کام کو قاعدہ کے ساتھ کرنا چاہیئے اور جو کام جسکے کرنے کا ہے وہی کرے بنا بریں کسی اجنبی آدمی کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں اس واسطے کہ اسکا نتیجہ سوائے اسکے کیا ہوگا کہ ایک بیہودہ بات کا چرچا ہوگا، اور اسکا ثبوت یہ نہ دے سکے گا اور اس عورت کی بھی آزادی اس سے اور بڑھے گی، اور سننے والے اور اسمیں شریک ہونے والوں کے دلوں سے بھی بےحیائی سے نفرت کم ہو جائے گی، کیونکہ جس بات کا چرچا ہوتا ہے اس سے قلوب کچھ نہ کچھ مانوس ہو جاتے ہیں، اور اس کی برائی دلوں میں سے کم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اسکو نہایت شد و مد سے منع فرمایا ہے

اس آیت میں، اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (ترجمہ) جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بیحیائی کا چرچا ہو ان کے لئے سخت عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ۔ اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ بے ثبوت کسی کو بدنام اور متہم کرنے پر یہ وعید ہے اور اگر واقع میں وہ عورت پاکدامن ہے، تو کس قدر ظلم ہو گا کہ اس کے ذمہ وہ عیب لگا دیا جائے، جو شرعاً و فطرتاً بدترین عیب ہے ۔ نیز ایک بے گناہ بچہ ساری عمر کے لئے ذلیل وخوار اور مفقود النسب ہو جاوے، یہ ایسا عیب ہے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے ہاں خاوند کو اجازت ہے کیونکہ یہ آبرو ریزی اس کی حق تلفی ہے ۔ اس کو شریعت منع نہیں کرتی اور اس کو اس کی واقعیت پر اطلاع بھی ہے کہ یہ بچہ اس کا ہے یا نہیں اس کو اجازت ہے کہ انکار کرے بلکہ اگر واقع میں وہ کسی اور کے نطفہ سے ہے تو خاوند کو اسپر سکوت کرنے کو شریعت بہت برا کہتی ہے کیونکہ یہ دیوثی ہے ۔ اور دیوث پر لعنت آئی ہے ۔ مگر انکار شوہر کی صورت میں ممکن ہے کہ یہ خاوند ہی جھوٹ کہتا ہو ۔ اس وجہ سے لعان مقرر کیا گیا ہے کیونکہ میاں بی بی میں بھی بسا اوقات ایسی مخالفت ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کی جان کے یا آبرو کے دشمن ہو جاتے ہیں ۔ شریعت کی باریک بینی کو دیکھئے کہ کسی غیر کو تو اجازت نہیں دیتی کہ اس عورت کو متہم

کرے کیونکہ اس سے سوائے تشییع فاحشہ کے کوئی نتیجہ نہیں اور خاوند کو اجازت بلکہ حکم دیتی ہے کہ اس سے تعرض کرے اگر وہ بچہ اس کا ہے تو اقرار کرے یا سکوت کرے اور نہیں ہے تو انکار کرے مگر اسکو بھی مطلق العنان نہیں کیا بلکہ لعان کو مقرر کیا تو عورت کو علاوہ فطری حیا کے تو خاوند کا خوف کیا کم ہے کہ اسکو پس غیبت میں بچہ ہونے کی خبر ہو گی تو اشتعال ہو گا ممکن ہے کہ قتل تک نوبت آجاوے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ علاوہ اس کے یہ خوف ہے کہ اگر اس نے جوش سے کام نہ لیا اور ہوش سے کام لیا اور عدالت میں مقدمہ لے گیا اور بچہ کی نسب سے انکار کیا تو کیا فضیحت ہو گی کہ سر بازار لعان کرنا ہو گا پھر تفریق ہو گی اور بچہ مجہول النسب ہو جائے گا فرمایئے آزادی کہاں رہی علاوہ بریں حاکم کو بھی نگرانی کا حق ہے کہ ایسی مشتبہ عورت کے خاوند کو اطلاع کرے کہ تم اپنے گھر کی خبر لو یا کسی طریقہ سے زجر و تنبیہ کرے تاکہ وہ اپنے چال چلن کو بد اشتباہ سے بچاوے۔ اس سے اندیشہ تشییع فاحشہ کا نہیں بلکہ انسداد فاحشہ کا ہوتا ہے۔ بنظر انصاف کے ساتھ دیکھئے کہ زنا کو برا ہر مذہب اور ہر قانون کہتا ہے مگر اس کے انسداد کی تدابیر جو شریعت مطہرہ اسلامی میں ہیں وہ کسی مذہب اور قانون میں نہیں ہیں۔

بابو صاحب:۔ ہاں اب مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

جسکی اصل صرف یہ ہے کہ ایک چیز کے دلائل صحیح دیکھکر اسکا حکم کردیا جاتا ہے گو اسمیں احتمال جانب مخالف کا بھی ہو اب سب کے مسئلہ سے بھی شبہات جاتے رہے اور قانون کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی پس عند کے ایک معنیٰ یہی حکم قانونی ہے جو اس آیت میں مراد ہیں فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ، پس اس کے معنیٰ یہ ہو گئے کہ درصورت پوری شہادت نہ لاسکنے کے قانون الٰہی میں یہ لوگ جھوٹے ہیں، سو ایک تو معنیٰ عند کے یہ ہوئے جسکے بیان میں استطرادا بہت سی نافع باتیں آگئیں مگر نفع سے خالی نہیں۔ اور بعض وقت عند کے معنی ایک اور بھی ہوتے ہیں وہ معنیٰ قرب کے ہیں جیسے اس آیت میں ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ، جسکا حاصل یہ ہے کہ متقین جنت میں اور نہروں میں اور عیش و آرام میں ہوں گے حق تعالیٰ کے پاس۔ ظاہر ہے کہ یہاں قرب مراد ہے۔ سو اس آیت میں جسکا بیان ہو رہا ہے لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ نیز یہی معنیٰ مراد ہیں لیکن چونکہ یہ وعدہ تمام مومنین کے لئے عام ہے چنانچہ لهم کی ضمیر مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ کی طرف راجع ہے یعنی تمام مومنین کے لئے دار السلام ہوگا خدائے تعالیٰ کے پاس اور ظاہر ہے کہ سب مومنین قرب اصطلاحی میں برابر ہیں نہیں اس واسطے عند کا ترجمہ قریب کے ساتھ کرنے میں ایہام رہتا ہے۔ مساوات کا اور قرآن میں عِنْدَ رَبِّهِمْ کے

معنی بعض جگہ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَۃِ بھی وارد ہیں پس یہاں بھی مناسب ہے لہذا سہل اور واضح ترجمہ عندربہم کا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے پاس جاکر یعنی آخرت میں تو اب یہ ترجمہ ہو گیا کہ مومنین کے امن کا گھر ہوگا آخرت میں۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ میں نے عندربہم کا ترجمہ یہ کیوں کیا تھا کہ آخرت میں اب صرف یہاں ایک سوال باقی رہا وہ یہ کہ خدائے تعالی کے پاس سے مراد آخرت ہی کیوں لی گئی خدائے تعالی سے ایسا قرب تو ہمکو دنیا میں بھی حاصل ہے۔

درجات قرب اس کا جواب یہ ہے کہ قرب کے درجات مختلف ہیں ایک قرب تو حقیقی ہے جسکا ترجمہ مل جانے سے کرو یا ادراک حقیقت سے یا اسی کے ہم معنی جس لفظ سے چاہو کرو اور ایک قرب مجازی ہے جسکا حاصل رفع یا تقلیل حجب ہے جیسا کہ آگے آتا ہے سو قرب بالمعنی الْاَوَّلِ یعنی قرب حقیقی بمعنی مل جانے یا ادراک حقیقت کے تو کسی کو حق تعالی کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالی جسم اور مکان سے پاک ہیں۔ تو مل جانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے اور رہا ادراک حقیقت سو وہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک چاہتا ہے احاطہ کو اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالی واجب اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لامتناہی پھر لامتناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے غرض

قرب بایں معنی تو ہو نہیں سکتا اس پر شاید کوئی اشکال کرے کہ رویت حق تعالیٰ کا مسئلہ ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ رویت بے حجاب ہوگی۔ جب کوئی حجاب نہ رہا تو قرب تحقیقی تو ہو گیا پھر یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ قرب حقیقی حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس کا حل یہ ہے کہ رویت بے حجاب ہونے کے یہ معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ کوئی حجاب بھی نہ رہے گا بلکہ یہ معنی ہیں کہ بعض حجاب نہ رہیں گے اور تقلیل حجاب ہو جائے گی چنانچہ خود حدیث میں حجاب کا وجود آیا ہے لَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْھِہٖ اِلَّا رِدَاءُ الْکِبْرِیَاءِ یعنی نہیں باقی رہے گا ذات پاک حق تعالیٰ پر کوئی حجاب سوائے حجاب کبریا کے یعنی عظمت کے اس استثناء سے معلوم ہوا کہ یہ حجاب رہے گا۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ رویت کے بے حجاب ہونے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ مطلق حجاب نہ رہے گا بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ بعض حجاب نہ رہیں گے ورنہ استثناء کے کیا معنیٰ۔ رہا یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ایسی ہوگی جیسے چودہویں رات کے چاند کو دیکھے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مانع نہیں رہے گا تو دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ رویت میں تو حجاب نہ ہوگا چودہویں رات کے چاند کی طرح دیکھو گے مگر ادراک حقیقت میں حجاب رہے گا اور اہل حق کی بھی یہی تحقیق ہے کہ

حق تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا اور اس پر ان کے پاس علاوہ حدیث کے آیت بھی دلیل ہے اور وہ آیت ہے اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔ کیونکہ ادراک حقیقت بھی احاطہ ہے اور حق تعالیٰ کو کوئی شے محیط ہے نہیں پس اسکی حقیقت کا بھی کوئی مدرک نہیں پس ادراک کا امتناع تو اسطرح ہوا اور وصل حسی کا امتناع بوجہ تنزہ عن الجسم کے ہوا۔ اور یہی دو فرد تھیں قرب حقیقی کی اسلئے یہ توقع بالکل نہیں ہو سکتی کہ قرب اس معنی کو حاصل ہو کہ ادراک حقیقت ہو جائے یا اتصال ہو جائے ہاں اور کسی معنی کو قرب ہوگا۔ یعنی تقلیل حجب اور یہاں ایک عکتہ ہے وہ یہ کہ ظاہراً امتناع احاطہ بالحق سے حسرت ہو سکتی ہے کہ افسوس ہم اگر محیط ہوتے تو خوب لطف ہوتا جیسے محبوب کو آغوش میں لینے سے لیکن عاشق اسی سے زیادہ تو خوش ہو سکتا ہے کہ وہ محیط ہے اسلئے کہ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ محبوب اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لے اس صورت میں محبوب کا ہاتھ عاشق کے ہاتھ کو محیط ہو ظاہراً تو دوسری صورت پہلی سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہے لیکن عاشق سمجھتا ہے کہ زیادہ لطف دوسری ہی صورت میں ہے اسی کو ایک عاشق کہتا ہے۔ ؎

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم
کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

(ترجمہ) اگرچہ میں دور پڑا ہوا ہوں لیکن اس امید میں خوش ہوں کہ شاید دوسری مرتبہ میرا محبوب میرا ہاتھ پکڑ لے ۱۲ اور عاشق کا تو یہ مذاق ہوتا ہے کہ قرب کامل تو دور رہا اسکو تو اگر یہ بھی امید ہو کہ کبھی میری طرف گوشۂ چشم سے دیکھ لیا جائے گا، یا کبھی میرا نام ہی اس محفل میں آجائے گا تب بھی اس محفل میں نہ سمائے گا اور یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ اس کا ہاتھ محبوب پکڑ لے اور یہ دوسری صورت کہ محبوب اسکا ہاتھ دبائے اس پہلی صورت سے کہ یہ محبوب کا ہاتھ دبائے عاشق کے مذاق میں اسواسطے زیادہ پر لطف ہے کہ اسمیں عنایت محبوب کی طرف سے پائی جاتی ہے۔ اور پہلی صورت میں صرف عاشق ہی کی طرف سے توجہ ہے۔ بہرحال حق تعالیٰ کی عظمت حاجب عن ادراک الحقیقت ہے جنت میں بھی رویت تو ہوگی مگر حق تعالیٰ سے کسی کو یہ قرب بھی نہیں ہو سکتا کہ ادراک حقیقت ہو جائے اس سے تو قطع نظر ہی کر لینی چاہیئے اس بارہ میں صوفیہ نے کہا ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(ترجمہ) عنقا کا شکار کسی کو نہیں ہوا جال کو سمیٹ لینا چاہئے کیونکہ یہاں

کہاں ذات حق باقی اور کہاں بندۂ فانی اور کہاں قدیم اور کہاں حادث اور کہاں واجب الوجود اور کہاں ممکن اور کہاں لامتناہی اور کہاں متناہی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک جب یہ قرب محال ہے تو اگر قرب ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کہ جیا بات کی

تقلیل ہوجائے اور گو اس قسم کا قرب حق تعالیٰ سے دنیا میں بھی حاصل ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا میں حجاب بہت زیادہ ہیں اور آخرت میں بہت کم ہوں گے اور دنیا میں جو یہ زیادہ حجب ہیں یہ بھی حجاب ادھر سے نہیں ہیں بلکہ ادھر سے ہیں کیونکہ ان کا حاصل ہستی دنیوی ہے کہ یہاں کی حیات تمام وجوہ سے نہایت ناقص ہے اور یوں تو ممکن کا وجود حقیقیہ ہی ناقص ہے۔ کیونکہ ہر وقت اس پر فنا طاری ہے۔ پھر اسمیں سے بھی دنیوی وجود کہ وہ تو بالکل ہی ناقص ہے جسکو کالعدم سمجھکر فرمایا گیا ہے۔ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ یعنی زندگی ہے تو آخرت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی ہی نہیں ہے تو یہاں ہستی نہایت ہی ضعیف ہے۔ اور بوجہ ضعف کے متحمل اس قرب کے بھی نہیں جو آخرت میں ہوگا یعنی رویت اور یہی نکتہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا اَرِنِی یعنی اے اللہ مجھے اپنا دیدار دکھا دیجئے تو حق تعالیٰ نے جواب دیا لن ترانی جس کے معنی یہ ہیں کہ تم نہیں دیکھ سکتے یوں نہیں فرمایا لن اُرٰی کہ میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہیں ہے کہ ادھر سے قابلیت دیکھے جانے کی نہیں ہے بلکہ ادھر سے استعداد دیکھنے کی نہیں ہے۔ اسی کو میں نے یہی کہا تھا کہ حجاب ادھر سے نہیں بلکہ ادھر سے ہے تو ہستی دنیوی اس قدر ضعیف ہے کہ اسمیں استعداد نہیں ہے رویت کی اور آخرت میں قوت بڑھ جائے گی لہذا دیکھ

سکیں گے حاصل یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے قرب ہر وقت ہے لیکن ہستی دنیاوی حجاب اعظم ہے آخرت میں یہ حجاب کم ہو جاویگا اس لئے قرب زیادہ ہو گا۔ لہٰذا قرب آخرت کو عند ربھم کہا گیا تو اس تفسیر کے لحاظ سے آیت کے معنیٰ یہ ہو گئے کہ مومنین کے لئے سلامتی کا گھر یعنی بہشت ہو گا آخرت میں ایک ثمرہ تو یہ ہوا جسکا حاصل میں نے شروع ہی میں بیان کر دیا تھا کہ امن عن الآفات علی وجہ الکمال ہے۔ اور دوسرے ثمرہ کا بیان حصول راحت علی وجہ الکمال ہے وہ اس جملہ میں ہے وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور ولی کے معنیٰ دونوں کے آتے ہیں محب بھی اور محبوب بھی تو آیت کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے محبوب ہیں تو یہ محب ہوئے یعنی ان کو محبین میں داخل فرمالیں گے اور یہ بھی معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے محب ہیں یعنی ان کو محبوب بنالیں گے دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو بندہ کے لئے تو بڑے ناز کی بات ہے ایک عاشق کہتا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف   گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے عجب

اگر قسمت نے یاوری کی تو دامن ہاتھ میں لے لونگا اگر وہ مارڈالے تو کیا ہی خوب ہے اگر میں مار ڈالوں گا۔

یعنی مجھے تو اتنا ہی بہت ہے کہ اس کا دامن ہاتھ میں آجائے یعنی کچھ تعلق پیدا ہو جائے پھر نتیجہ خواہ یہ ہو کہ وہ مجھکو کھینچ لیں یعنی مجھکو مطلوب اور محبوب بنالیں یا میں کھینچ لوں یعنی محب بن جاؤں

مطلب یہ ہے کہ تعلق پیدا ہو جائے پھر نتیجہ ان دونوں میں سے ایک ضرور ہو گا اور ایک کیوں ہو گا دونوں ہی ہوں گے باز اسکا یہ ہے کہ اس سرکار میں محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں جہاں محبیت ہے وہاں محبوبیت بھی ہے۔ اور جہاں محبوبیت ہے وہاں محبیت بھی ہے۔ اسی معنی کو کہا ہے ؎

ہر کہ عاشق بینیش معشوق داں گو بہ نسبت ہست ہم این وہم آں

اور اسی پر یہ مشورہ دیتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

پیاسے کو مشورہ دیتے ہیں کہ تو پانی کا طالب ہے تو سمجھ لے کہ تو مطلوب بھی ہے جیسے تو پانی کو ڈھونڈتا ہے ایسے ہی پانی بھی تجھکو ڈھونڈتا ہے۔ چنانچہ صاف فرماتے ہیں ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

یعنی جیسا کہ پیاسے پانی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ایسے ہی پانی بھی خود پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے دیکھ لیجئے پیاسوں کے پیدا ہونے سے پہلے پانی پیدا ہوا تو پانی جو مطلوب کہا جاتا ہے وہ درحقیقت طالب یعنی مقتضی ہے وجود عطشاں کو اور پیاسا جو طالب سمجھا جاتا ہے اس اعتبار سے مطلوب ہے تو طالبیت اور مطلوبیت .... دونوں طرف سے ہوئی یہ حالت تو مخلوق کی باہم ہے اور جو کوئی خدا تعالیٰ کے ساتھ علاقہ پیدا کرے تو خدا تعالیٰ تو بہت کریم ہیں ذرا سا بہانہ ڈھونڈتے

ہیں ادھر سے ارادہ ہوا اور ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں تو جو شخص
خدا تعالیٰ سے محبت کریگا خدا تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ محبت
کریں گے جب ادھر سے محبت ہوئی تو یہ محبوب ہوگیا نتیجہ یہ ہوا
کہ محبت کے لئے محبوب لازم ہے چنانچہ ایک جگہ صاف فرماتے
ہیں یُحببکم اللّٰہ اس سے اوپر ارشاد ہے ان کنتم تحبون اللّٰہ
فاتبعونی اور اس کا ثمرہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے
محب ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو حق تعالیٰ تم کو محبوب
بنالیں گے یہاں بظاہر موقع تحبوا اللّٰہ کا تھا یعنی تمہارا محب ہونا
اسوقت متحقق ہوگا جب تم اتباع کرو اس سے تم اللہ کی محبین
میں شمار ہو سکتے ہو سو یہ نہیں فرمایا بلکہ یحببکم اللّٰہ فرمایا یعنی ایسا
کرنے سے تو حق تعالیٰ اپنے محبوبین میں داخل کرلیں گے یہ آیت تو
بالکل ہی صریح ہے اس باب میں کہ محبت کیلئے محبوبیت لازم ہے
اور بہت آیتوں میں یہ مضمون آیا ہے مثلاً واللّٰہ یحب المحسنین
اور واللّٰہ یحب الصابرین وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بہت سی آیات
ہیں محبت کے معنی یہی تو ہیں کہ محبت رکھیں گے اس کی ضمیر حق تعالیٰ
کی طرف ہے تو فاعل اسکی ذات حق ہوئی اور محبت کے فاعل کو محب
کہتے ہیں اور مفعول اسکا صابرین یا شاکرین ہیں یا بلفظ دیگر مومنین
ہیں اور محبت کے مفعول کو محبوب کہتے ہیں تو مومنین کے لئے بشارت
ہوئی محبوب بنالینے کی یہ مضمون جابجا آیات میں موجود ہے ۔ اور

محبکم اللہ میں تو بالکل ہی صاف موجود ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ کتنی بڑی بات ہے اسی پر تو عاشق کو شادی مرگ ہو جاوے تو عجب نہیں عاشق کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر اتنا بھی سن لے کہ محبوب نے میرا نام لیا تو پھولا نہیں سماتا اور کہاں اتنا بڑا لفظ کہ مجھکو پسند کر لیا ہے ؎

ادائے حق محبت عنایتیست ز دوست — وگرنہ عاشق مسکیں بہیچ خورسند است

محبوبیت کا لفظ تو بہت ہی بڑا ہے عاشق کیلئے تو محبین ہی میں شمار ہو جانا بڑے سے بڑا درجہ ہے وہ کہتا ہے ؎

ہمینم بس کہ داند ماہرویم — کہ من نیز از خریداران اویم
ہمینم بس اگر کاسد قماشم — کہ من نیز از خریدارانش باشم

عاشق کا حوصلہ تو اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اسکو محبین اور بلفظ دیگر عاشق کہدیا جائے اور اگر خود محبوب ہی اسکی نسبت یوں کہہ دے کہ یہ میرا عاشق ہے تو شاید مرا ہوا بھی جی جائے یا جیتا ہوا مر جائے اور دوسرے محبوبوں سے تو اتنی بھی توقع ہونا مشکل ہے کہ اپنے طالب کو عاشق ہی کہدے لیکن حق تعالیٰ کا فضل ہے اور غایت کرم ہے کہ اپنے ناچیز بندوں کو محبوبیت کی بشارت سناتے ہیں ان کی نعمتوں اور رحمتوں اور راحتوں کی کیا حد ہو سکتی ہے جو کچھ ہے ادھر سے ہی ہے اور بندہ کو تو اگر محبت بھی نصیب ہوتی تو فی الحقیقت انہی کی دی ہوئی ہوتی گو ظاہراً بندہ کا فعل ہوتا

اور محبوبیت میں تو بندہ کا کوئی اختیار ہی نہیں وہ تو بطرح اپنی
کی دی ہوئی ہے غرض یہ اس آیت سے خوب سمجھ میں آگیا ہوگا
کہ محبیت کو محبوبیت لازم ہے اور اوپر میں بیان کرچکا ہوں
کہ اس کا عکس بھی ثابت ہے یعنی محبوبیت کو محبیت لازم ہے تو
آیت میں لفظ یحبهم کو معنی میں محب کے لو تب بھی اور محبوب
کے لو تب بھی اس سے محبیت بھی ثابت ہوگی اور محبوبیت بھی
تو معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ مومنین کو یہ ثمرہ بھی دیں گے کہ محب بھی
بنالیں گے اور محبوب بھی بنالیں گے اور یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ دلالت
آیت کی دونوں مضمونوں پر بطریق عموم مشترک کے نہیں ہے کہ کبھی
کوئی مولوی صاحب اعتراض کریں بلکہ ایک مضمون پر دلالت مطابقی
ہے اور دوسرے پر التزامی ہے یعنی یحبهم کو دونوں معنوں میں
ایک وقت میں نہیں لیا گیا بلکہ ایک معنی میں لیا گیا ہے اور
دوسرے معنی بوجہ لازم ہونے کے ثابت ہو جاتے ہیں یہ بحث
تو طالبعلمانہ تھی مقصود یہ ہے کہ یحبهم میں دوسرے ثمرہ
کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مومنین کو حق تعالیٰ اپنا
محب اور محبوب بنالیں گے اسکو میں نے دوسرا ثمرہ کہا تھا
اور اس کا حاصل حصول راحت نکلا تھا پس ایک ثمرہ تھا
دفع مضرت جو حاصل تھا اول جملہ یعنی لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ
عِندَ رَبِّهِمْ کا دوسرا ثمرہ حصول راحت ہے جس کو

میں نے ثابت کیا ہے وہو ہذہ جس کا حاصل دو امر ہیں محب بن جانا خدا تعالیٰ کا اور محبوب بن جانا اور دونوں امر کو جامع ایک لفظ محبت ہے تو حاصل یہ ہوا کہ مؤمنین کو محبت حاصل ہوگی محبت مصدر ہے اسکو مضاف کرو فاعل کیطرف تو محبیت کے معنی ہو جاتے ہیں اور مضاف کرو مفعول کی طرف تو محبوبیت کے معنی ہو جاتے ہیں غرض دونوں معنوں کے لئے جامع لفظ محبت ہے حاصل یہ ہوا کہ مؤمنین کو محبت حاصل ہوگی اور میں نے ان دونوں ثمروں کی نسبت اوپر کہا تھا کہ کامل ہوں گے سو دفع مضرت کے کامل ہونے کو تو میں اوپر ثابت کر چکا اب اس دوسرے ثمرہ کے کمال کا ثابت کرنا رہ گیا یعنی حصول راحت بھی علی وجہ الکمال ہوگا اس بیان کے لئے ضرورت ہے ایک مقدمہ کی

راحت کی روح خوشی ہے

وہ یہ ہے کہ راحت کی روح ہے خوشی اور یہ نہو تو تمام نعمتیں بیکار ہیں مثلاً ایک شخص لکھ پتی ہے مال بھی ہے اولاد بھی ہے مکان بھی ہے ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا ہے لیکن فرض کر لیجئے کہ اوسپر ایک مقدمہ قتل کا قائم ہو گیا ہے تو سامان راحت کا سب موجود ہے مگر چونکہ اس راحت کی روح یعنی خوشی اور اطمینان قلب موجود نہیں لہذا سب سامان بیکار

ہے اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے اس کو کچھ طول دینے کی ضرورت نہیں مگر جس بات کو میرے مدعا میں دخل ہے وہ یہ ہے کہ ہر چیز کی راحت اس کے مناسب چیز سے ہوتی ہے۔ آنکھ کی راحت اچھی اچھی چیزوں کے دیکھنے سے اور کان کی راحت اچھی اچھی باتوں کے سننے سے

قلب کی راحت محبت سے ہوتی ہے

علیٰ ہذا قلب کی راحت سب سے زیادہ ہوتی ہے محبت سے جب مومنین کے لئے محبت ثابت ہو گئی تو اس کا نتیجہ صاف یہ نکلا کہ جو سب سے بڑی چیز راحت کی ہے وہ حاصل ہو گئی کیونکہ آنکھ کان وغیرہ اعضاء سب قلب سے درجہ میں کم ہیں اور اشرف الاعضاء قلب ہے تو جو فرق اور اعضاء اور قلب میں ہے وہی فرق ان دونوں کی راحتوں میں بھی ہوگا پس محبت سب راحتوں سے بڑھکر راحت ہوئی جب وہ محبت مومنین کو حاصل ہوئی تو اسکے معنی یہی ہوئے کہ سب سے بڑی راحت ان کو نصیب ہو گئی۔ جسکی تمام راحتیں تابع ہیں۔ تو یہ بات صحیح ہو گئی کہ حصول راحت علی وجہ الکمال ہوگا ایک بات یہاں یہ بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ ولی کے معنی اہل قرب بھی ماخوذ ہے تو یہ معنی ہوئے کہ حق تعالیٰ کو ان سے قرب بھی ہے اب یہاں دو دعوے ہوئے اول یہ کہ خود حب بھی

یا راحت ولذت کی چیز ہے چاہے قرب بھی نہ ہو یہ محبت بھی ہو ہاں ہوگی اور اس پر دو سزا یہ کہ اس پر قرب بھی مزید براں ہوگا تو اب تو حصول راحت علی وجہ الکمال کہنے میں کچھ بھی تردد نہ رہا اگر کوئی کہے کہ ایک شاعر نے تو اسکے خلاف کہا ہے ؎

جو مزا انتظار میں دیکھا ‖ پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

اس میں صاف بتلا رہا ہے کہ محبت میں مزا ہے قرب میں نہیں تو اوّل تو یہ شعر غلط ہے اور مذاق سلیم کے خلاف ہے اگر ایسا ہوتا تو عشاق وصال کی تمنا کیوں کیا کرتے اور اگر من کل الوجوہ غلط بھی نہ کہا جائے تو میں ثابت کرتا ہوں کہ مومنین کو یہ بھی نصیب ہوگا یعنی جنت میں انتظار کی لذت بھی ہوگی یہ عجیب بات ہے کہ قرب بھی ہوگا اور انتظار بھی رہیگا بیان اسکا یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے وصل حقیقی ممکن نہیں جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ وصل حقیقی چاہتا ہے اتصال کو یا علم بالکنہ کو اور اتصال حق تعالیٰ سے ممکن نہیں کیونکہ ذات حق تجسم سے پاک ہے اور علم بالکنہ احاطہ ہے اور حق تعالیٰ محیط ہیں [illegible] کہ محاط جب وصال حقیقی نہ ہوگا تو پوری [illegible] اور مزید قرب کا انتظار رہیگا اور یہ حالت ہوگی کہ وصل بھی ہے اور مزید کا انتظار بھی جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

دلارام در بر دلارام جو ‖ لب از تشنگی خشک بر طرف جو

نہ گویم کہ برآب قادر نیند	کہ بر حل نیل مستسقی اند

اور راز اس میں یہی ہے کہ بندہ متناہی ہے اور حق تعالیٰ لا متناہی تو جو مرتبہ بھی وصال کا لیا جائے ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگے اس کے اور مرتبہ نہ ہو شاعر کہتا ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار	گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

سبحان اللہ اس کا کیا بیان ہو سکتا ہے لا متناہی کا بیان بھی کوئی کیسے کرے کیونکہ تجربہ بھی تو متناہی ہوگا پھر اس کو کیسے محیط ہو سکتا ہے غرض اگر وہ شعر کسی درجہ میں صحیح بھی ہو تب بھی وہ اشکال نہ رہا کہ جب انتظار نہ ہوگا تو کیا لطف ہوگا کیونکہ میں نے ثابت کر دیا کہ جنت میں انتظار بھی ہوگا تو اگر کسی کا یہی مذاق ہے کہ لطف بلا انتظار کے نہیں تو جنت میں یہ بھی ہوگا جسکی وجہ ابھی بیان کی ہے کہ وہاں حسن لامتناہی ہوگا اس لئے تمتع کے درجات بھی لا الی غیر نہایہ ہوں گے اور ہر درجہ میں دوسرے درجہ کا انتظار ہوگا مگر یہ یاد رکھیے کہ ایک انتظار وہ بھی ہوتا ہے جسمیں تڑپ اور بے چینی ہو ایسا انتظار جنت میں نہ ہوگا کیونکہ جنت دارالسلام ہے وہاں کسی تکلیف کا کام نہیں اور ایسا انتظار تکلف ہے اور تکلیف بھی کیسی جسکو کہا جاتا ہے الانتظار اشد من الموت تو ایسا انتظار تو وہاں کیسے ہو سکتا ہے جو انتظار وہاں ہوگا

وہ زیادتی لذت کے لئے ہوگا، وصال بھی ہوگا اور انتظار وصال بھی ہوگا اسطرح کہ ایک تجلی خاص ہوگی اس سے جو کچھ لذت حاصل ہوگی اسکو کون بیان کرسکتا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر تجلی کی خواہش ہوگی اور پھر تجلی ہوگی وہلم جرا کہیں یہ ترقی ختم نہ ہوگی کیونکہ وہاں تناہی نہیں ہے۔ اس بیان کو طول اس شعر تحقیق کیوجہ سے ہوگیا جو مزہ انتظار میں دیکھا الخ۔ اصل مضمون یہ تھا کہ ہر چیز کی راحت اسی کے مناسب چیز سے ہوا کرتی ہے اور قلب کے موافق اور مناسب چیز محبت ہے تو قلب کو محبت سے راحت پہنچتی ہے گو وصل بھی نہ ہو بلکہ وصل بھی ہو اور یہ محبت اسقدر لذت کی چیز ہے کہ بعض وقت اس محبت میں آدمی اسقدر محو ہو جاتا ہے کہ وصل کی بھی خبر نہیں رہتی مجنوں کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ لیلیٰ سامنے آگئی تو وہ کہتا ہے من انت تو کون ہے یہاں تعجب ہوتا ہے کہ اسنے لیلیٰ کو نہ پہچانا اسکی وجہ یہی ہے کہ غایت شوق میں ایسی محویت ہوگئی کہ کچھ بھی خبر نہ رہی تھی کہ محبوب کا بھی ادراک نہ ہوا مگر اس قصہ سے مقصود محض محبت کے لذیذ ہونے پر استدلال کرنا ہے باقی اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ وہ وصل سے افضل ہے یہ تو ظاہر ہے کہ محبت خود اس وصل ہی کی خواہش کا نام ہے تو جسکی خواہش کا نام محبت ہے یعنی وصل محبت محضہ اس سے کیسے افضل ہوگی البتہ دنیا میں کبھی ایسا ہوسکتا ہے اس وصل پر محض محبت غالب آجاتی جیسا کہ لیلیٰ کے قصہ میں ہوا کہ محبت میں ایسی لذت آئی کہ محویت ہوگئی تھی کہ محبوب

کو بھی نہ پہنچایا مگر وہاں ایسا نہ ہوگا کیوں کہ وہاں مذاق صحیح ہوگا اس لیئے وہ حالت نہ ہوگی جو مجنوں کی ہوئی کہ محبوب تک کو نہ پہچانا۔ یہ ایک غلطی کا دفع تھا اصل مضمون یہ بیان کر رہا تھا کہ محبت ہی ہر راحت کی بنا ہے جس چیز میں لطف آتا ہے محبت ہی سے آتا ہے محبت نہو تو کسی چیز میں لطف ہی نہیں آسکتا دیکھئے سب سے بڑی اور ضروری چیز جس پر تمام کارخانہ دنیا کا وجود بقاء موقوف ہے وہ کھانا ہے اسمیں بھی اگر محبت نہو یعنی کھانے کی خواہش نہ ہو تو لطف نہیں آسکتا اور کھانا مٹی کے برابر معلوم ہوتا ہے اور یوں کوئی فاسد المذاق ہو کہ پیٹ بھی بھرا ہوا ہے اور طبیعت قبول نہیں کرتی مگر زبردستی کھائے چلا جارہا ہے بلکہ قے کرتا جاتا ہے اور کھائے چلا جاتا ہے تو ایسے مذاق والے کا تو ذکر ہی نہیں مذاق صحیح کا ذکر ہے کہ بلا خواہش اور رغبت کے کھانے میں بھی لطف نہیں آتا خواہش رغبت محبت سب ایک ہی چیز ہے غرض ہر راحت کی اصل محبت ہی ہوئی اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ایک راحت ہی کی کیا تخصیص ہے ہر چیز کی اصل محبت ہی ہے۔

ایک دقیق تحقیق حتی کہ ایجاد عالم[1] کی بنا بھی یہی محبت ہے صوفیہ کی روایات میں ایک الہام ہے

[1] دنیا کی پیدائش۔

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۔ یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اسواسطے میں نے عالم کو پیدا کیا ۔ لفظ اَحْبَبْتُ محبت سے مشتق ہے اسمیں اسناد محبت کی حق تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے تو صاف یہی معنی ہوئے کہ خدا تعالیٰ کو اس امر سے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں ۔ لفظ محبت اسمیں صریح مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ ایجاد عالم کی اصل بنا بھی محبت ہی ہوئی ہے ۔

حق تعالیٰ کے محب ہونیکا مطلب

یہ اور بات ہے کہ محبت کا اطلاق ذاتِ حق تعالیٰ میں اس معنی پر اس معنیٰ میں نہیں ہو سکتا جس معنی پر مخلوقات میں اطلاق ہوتا ہے کیونکہ مخلوقات میں تو محبت کے معنی امیلان و کشش کے ہیں جس سے محب بالاضطرار محبوب کی طرف کھینچتا ہے اور ذاتِ خداوندی میں اضطرار کا کچھ کام نہیں وہاں تو اختیار مطلق ہے محبت بھی اختیاری ہے وہاں محبت کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنے اختیار سے بلا کسی قسم کی کشش اور اضطرار کے ایک بات کو پسند کرنا ، محبت کے حکم کرنے ہیں

ایک سخت غلطی پر تنبیہ

آجکل لوگ سخت غلطی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ پر اس کا حمل ایسی بیہودگی سے ساتھ کرتے ہیں کہ اس کے تصور سے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے

عوام کو ان باریک باتوں کی تمیز کہاں خدا تعالیٰ کو عاشق اور شیدا وغیرہ کہہ ڈالتے ہیں جسمیں ہی معنی ادا ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کے ساتھ محبت کشش اور اضطرار اوسیطرح کے ساتھ ہے جسطرح مخلوق میں ہوتی ہے خوب سمجھ لیجیے کہ اس قسم الفاظ حق تعالیٰ کی شان میں کہنا ہرگز جائز نہیں اسمیں حق تعالیٰ کو مخلوق کے برابر کر دینا ہے۔ اور سخت بے ادبی ہے یہ لفظ محبت کی ضروری تحقیق تھی جو رفع غلطی کے لئے بیان کر دی گئی باقی محبت کا اطلاق بمعنی ارادہ [۱]الخیر حق تعالیٰ کے لیے بھی آتا ہے چنانچہ لفظ احببتُ میں موجود ہے اور اس قسم کے لفظ قرآن شریف میں بھی بہت جگہ موجود ہیں جسمیں محبت کا اطلاق حق تعالیٰ کے لئے آیا ہے مثلاً وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ وغیرہ وغیرہ غرض جسطرح کہ محبت خدا تعالیٰ کے لائق ہے وہی محبت ایجاد عالم کا سبب ہوئی تو ثابت ہوا کہ محبت ہی بنا ہوئی ہے ایجاد کی جسکا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اور ایک بات اس سے اور بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ محبت کی ابتدا ادھر سے ہوتی ہے جیساکہ کسی نے کہا ہے ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود ٭ تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے جبتک شمع روشن نہیں ہوتی تب تک پروانہ عاشق نہیں ہوتا

[۱] بھلائی کا ارادہ ۱۲

پھر اس کا عکس ادھر پڑا پھر جانبین میں تعلق ہوا مگر رنگ دونوں طرف مختلف ہیں جیسا کہ سورج کی شعاع صاف اور نورانی ہوتی ہے لیکن سرخ رنگ کے شیشہ میں پار ہو جانے سے سرخ دکھائی دیتی ہے اس سے سورج کا اور شعاع کا رنگین ہونا لازم نہیں آتا یہ وہی شعاع نورانی اور صاف ہے مگر سرخ شیشے سے تعلق ہو جانے سے اس میں رنگ پیدا ہو گیا ہے بلا تشبیہ یہی حالت محبت کی ہے کہ ادھر سے صاف اور بے کیف اور ادھر سے بے چینی کے ساتھ اور سوز کے ساتھ اور درد کے ساتھ اور جو جو گتیں عاشق کی بنتی ہیں سب جانتے ہیں ادھر تو یہ رنگ اور ادھر سکون کے ساتھ اور بلا اضطرار اور بلا بیچینی کے اور بلا سوز وگداز اور ہے دونوں طرف محبت اسی کو عارف رومی کہتے ہیں؎

عشق معشوقاں نہانست و ستیر — عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

(ترجمہ) معشوقوں کا عشق تو چھپا ہوا اور پوشیدہ ہے اور عاشق کا عشق سینکڑوں ڈھول، باجہ کے ساتھ ہے۔

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند — عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

کہیں عاشقوں کا عشق تو کمزور کرتا ہے اور عشق معشوقوں کو خوش اور موٹا کردیتا ہے

وجہ یہ کہ اضطرار ایک صفت نقص ہے جس سے ذات حق جل جلالہ منزہ و مبرا ہے گو محبت اس طرف کی مخلوق کی محبت سے

؎ اسوقت مجمع پر عجیب کیفیت تھی ۱۲

بہت زیادہ ہے

حق تعالیٰ کی محبت کی زیادتی کا راز

جسکا راز یہ ہے کہ محبت کی بنا ہے معرفت اور معرفت ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو زیادہ ہے ہمکو خود اپنی بھی معرفت اتنی نہیں ہو سکتی جتنی کہ حق تعالیٰ کو ہے لہذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حق تعالیٰ ہمکو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کو ہم سے ماں سے بھی زیادہ محبت ہے اور یہ بات بہت ظاہر ہے کیونکہ ماں میں محبت کہاں سے آئی یہ حق تعالیٰ ہی کی محبت کا پرتو ہے اور یہ مضمون حدیث قدسی میں بھی ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص کہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اسکی طرف ایک ہاتھ آتا ہوں اور جو کوئی میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اسکی طرف کھلے ہوئے دو ہاتھ آتا ہوں اور جو کوئی میری طرف قدم قدم آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑ کر آتا ہوں دیکھئے ادھر سے جتنا ظہور محبت کا ہوتا ہے اس سے زیادہ ادھر سے ہوتا ہے اسمیں صریح دلالت ہے کہ ادھر ہی سے محبت زائد ہے وہ تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ ذرا کسی نے ارادہ کیا ان کی طرف آنے کا اور وہ خود اس سے ہزارہا درجہ زیادہ اسکی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

غرض محبت کی شان اور اس کا ہر راحت ولذت کے لیئے بلکہ تمام عالم کے لیئے اصل الاصول ہونا ثابت ہو گیا اسی دولت کا ذکر جملہ وھو ولیھم میں ہے پس یہ جملہ جامع ہوا تمام راحات کے حصول کا اور پہلا جملہ جامع تھا تمام مضار کے زوال کا اور یہی حاصل ہوتا ہے تمام ثمرات کا تو اسلام پر ثمرات کاملہ کا مرتب ہونا ثابت ہو گیا یہ بیان ہوا لھم دار السلام عند ربھم وھو ولیھم کا۔ اسکے بعد بما کانوا یعملون میں ایک اور بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ کہ بعض لوگ ایسے ہوس ناک ہوتے ہیں کہ محبت کو مقصود بالذات سمجھ کر اسمیں ایک غلطی کر بیٹھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بس کامیابی کے لیئے یہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ سے ہم کو محبت ہے اور ہم سے انکو محبت ہے اور یہ سمجھ کر عمل کا اہتمام مطلق نہیں کرتے اور بعض صوفی اس غلطی میں بکثرت مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ مراقبات وغیرہ میں مشغول رہینگے وظیفے بہت پڑھینگے کیفیات کی تحصیل میں سرگرم رہینگے اگر کشف یا سلب مرض یا اور کوئی کیفیت حاصل ہوگئی تو اسمیں مست ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کمال حاصل ہو گیا دن رات انہیں دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور اعمال سے غافل ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمکو محبت حاصل ہے اور محبت ہی سب کچھ ہے۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ محبت کونسی درکار ہے خوب سمجھ لینا

ع نقصان ۱۲

چاہیے کہ محبت بمعنی میلان ہے کافی نہیں یہ محبت تو ایسی ہے جیسے کوئی یہ خیال کرے کہ کھانے کی طرف تو رغبت ہے نہ کھانا پکائے اور نہ کھائے تو اس سے کیا ہو سکتا ہے پیٹ نہیں بھر سکتا اور زندہ نہیں رہ سکتا تو اس کھانے کی رغبت نے تو کچھ بھی کام نہ دیا ایسے ہی حق تعالیٰ کی طرف محض میلان قلب کام نہیں دے سکتا کیونکہ جب عمل نہیں اور رضا اسی پر موقوف ہے تو رضا حاصل نہیں اور وہی بڑا مقصود ہے تو اس محبت کا حاصل یہ ہوا کہ تمکو تو خدا تعالیٰ سے محبت ہوئی مگر خدا تعالیٰ کو تم سے نہ ہوئی تو یہ مطلوب نہیں بعض لوگ اسی کو نسبت مطلوبہ سمجھتے ہیں۔

نسبت مطلوبہ کی حقیقت

خوب سمجھ لو کہ نسبت مطلوبہ وہ ہے جو دو طرف سے تعلق ہو اور یہ موقوف ہے عمل پر نہ کہ صرف ایک طرف سے،

ایک طالبعلم کی حکایت

اسکی مثال تو اس طالبعلم کے قصہ کی سی ہے کہ ایک طالبعلم تھے دلی کے بازار سے انکے ایک دوست نے پوچھا آجکل کس شغل میں ہو کہا شاہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں کہا مبارک ہو بڑا کام مار لیا اسکی کوئی صورت بھی ہو گئی ہے کہا جی ہاں آدھا کام تو ہو گیا آدھا باقی ہے پوچھا کیونکر کہا ہم تو راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں تو آدھا کام ہو گیا اور آدھا باقی ہے۔ تو بھلا اس سے کیا کام چلا کہ ہم راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں اور کیا اس نیم رضا سے شاہزادی مل گئی،.....

اسی طرح یہ عاشق ہونے کے مدعی ہیں کہ وہ تو اللہ سے راضی ہیں مگر اللہ ان سے راضی نہیں۔

نسبت باطنی کے معنیٰ میں غلطی بہت سے پڑھے لکھے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ یہ لوگ نسبت باطنی کے معنیٰ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ سے لگاؤ پیدا کر لو اور لگاؤ کے معنیٰ یہ لیے ہوئے ہیں کہ ہر وقت یاد رکھو زبان سے یا خیال سے بس یہی کافی ہے اور اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے خود اعمال کو بھی صرف یاد کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو جب یاد پیدا ہو گئی خواہ اعمال سے یا اور کسی ذریعہ سے تو اعمال کی ضرورت نہ رہی چنانچہ یہ لوگ کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اعمال کی مطلق پرواہ نہیں نہ نماز نہ روزہ نہ زکوٰۃ۔ اور دوسرے اجزاء دین کا تو کیا ذکر اگر کسی نے نماز پڑھی بھی تو ولایتی نماز جسکا نہ رکوع صحیح نہ سجدہ درست نہایت ہی بے توجہی کیساتھ کیونکہ کوئی ضروری چیز تو ہے ہی نہیں یہ بھی ان کی عنایت ہے کہ ایسی بھی پڑھ لیں البتہ تسبیحیں بڑی بڑی رکھتے ہیں۔

مٹرو شاہ کی حکایت ایک مٹرو شاہ تھے ان کے نام بھی عجیب عجیب ہوتے ہیں جو بعضے خاندانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ شیطان شاہ

لعنت شاہ) وہ مرد شاہ کہا کرتے تھے کہ تسبیح اتنی بڑی اور بھاری ہونی چاہیئے کہ ضرورت کے وقت ہتھیار کا بھی کام دیجائے اور کسی سے لڑائی بھڑائی ہو جائے تو سر پر ماردیں تو ایک دفعہ سر تو پھٹ جائے۔ کپڑے گیروا ہوتے ہیں غرض ہر بات میں تصنعات[1] اور رسوم رہ گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد

اسی کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نسبت صوفیہ غنیمتے است کبریٰ اما رسوم شان ہیچ نیرزد۔ مگر اب درویشی ان ہی رسوم کا نام رہ گیا ہے جسمیں رسوم نہ ہوں اسکو کہتے ہیں فلانے بزرگ مشہور تو بہت ہیں مگر ہم نے تو کوئی بات درویشی کی ان میں دیکھی نہیں واقعی گیروا کپڑے نہیں دیکھے۔ بڑی سی ٹوپی سر پر نہیں دیکھی بڑی سی تسبیح گلے میں پڑی نہیں دیکھی، موٹا سا سونٹا ہاتھ میں نہیں دیکھا وا ہی تباہی الفاظ زبان سے بکتے نہیں دیکھا ان سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ شریعت کے پابند ہیں وضع میں قطع میں بول چال میں معاشرت میں معاملات میں اور رسوم کو فضول سمجھتے ہیں اس واسطے درویش کہے جانے کے مستحق نہیں رہے غرض اس خیال میں بہت لوگ پڑے ہوئے ہیں کہ وظیفے

[1] خلاف شرع امور ۱۲

پڑھ پڑھ کر حق تعالیٰ سے تصور کا لگاؤ پیدا کر لینا کافی ہے نماز روزے کی ضرورت نہیں اسی پر بھولے بیٹھے ہیں اور اسی کو کمال اور وصول سمجھتے ہیں۔ خیر یہ تو جہلاء کی باتیں ہیں۔

اعمال کے متعلق ایک غلطی

اور بعضے یہ تو نہیں کہتے کہ نماز روزے کی ضرورت نہیں مگر ایک غلطی میں وہ بھی مبتلا ہیں اور یہ بات اچھے اچھے سمجھداروں اور ذاکرین میں بھی پائی جاتی ہے کہ اعمال کے ساتھ قلت اہتمام ہے جس اہتمام کے ساتھ وظیفے اور اشغال وغیرہ کرتے ہیں اہتمام کے ساتھ اعمال نہیں کرتے اسکی وجہ یہی ہے کہ صرف لگاؤ اور نسبت کو گویا کہ یکطرفہ ہی ہو مقصود سمجھتے ہیں اسی غلطی کو میں بیان کر رہا ہوں۔

نسبت کی بے نظیر تحقیق

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نسبت کہتے ہیں لگاؤ اور تعلق کو اور اس نسبت کی دو قسمیں ہیں (لاکھوں روپے کی بات ہے جو میں بتلا رہا ہوں) ایک قسم تو یہ ہے کہ بندہ کو خدا سے نسبت ہو اور خدا کو بندہ سے نہ ہو اور دوسری قسم یہ کہ بندہ کو خدا سے نسبت ہو اور خدا تعالیٰ کو بندہ سے ہو نسبت کا لفظ تو لغۃً دو قسموں پر بولا جا سکتا ہے

مگر مطلوب نسبت کی صرف یہ دوسری قسم ہے نہ کہ پہلی
قسم ورنہ ایسا تو کوئی بھی آدمی نہ نکلے گا جو پہلی قسم کی نسبت
نہ رکھتا ہو ایسا کون شخص دنیا میں ہو گا جو خدا کا قائل ہو اور
بزعم خود خدا سے تعلق نہ رکھے اور اسکی تدبیر نہ کرے اسکی دلیل
قرآن میں موجود ہے حق تعالیٰ نے مشرکین کا قول نقل کیا ہے
وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یعنی مشرکین جو
بتوں کو پوجتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اسواسطے
کرتے ہیں کہ یہ ہمکو حق تعالیٰ کے قرب میں پہونچا دیں تو اس
غرض حصول قرب الی اللہ سے مشرکین بھی خالی نہ ہوئے
اور یہود ونصاریٰ تو اہل کتاب ہی ہیں وہ تو کتاب کو حکم
الٰہی سمجھکر اسکو ذریعہ رضاء وقرب کیوں نہ بناتے تو پہلی
قسم نسبت کی تو ان کو بھی حاصل ہے اگر یہ کافی ہوتی تو
پھر خود اسلام ہی کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اور نماز روزہ
کا تو کیا ذکر دیکھئے کیسی صاف غلطی ہے پس یہ لفظ کہ
فلانے صاحب نسبت ہیں خوش کن تو بہت ہے لیکن جبتک
کہ یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ کونسی قسم کے صاحب نسبت ہیں
اس وقت تک اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں کیونکہ ممکن
ہے کہ وہی نسبت رکھتے ہوں جو کفار کو بھی حاصل ہے جو کسی
درجہ میں بھی مطلوب اور محمود نہیں۔ نسبت اگر قابل شمار اور

مطلوب ہے تو دوسری قسم کی ہے یعنی یہ کہ بندہ کو خدا سے ہو اور خدا کو بندہ سے ہو اس میں رضا ہوتی ہے یہ ہے تحقیق نسبت کی۔

نسبت حقیقیہ کا طریقہ | اور یہ نسبت اعمال میں اہتمام کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی واسطے آگے فرماتے ہیں۔ وھو ولیھم بما کانوا یعملون، یعنی جو کچھ یہ عطا ہو گا وہ اسکی بدولت ہو گا کہ جو وہ عمل کرتے تھے۔ یعنی آفات سے حفاظت اور راحتوں کا نصیب ہونا اور ہمارا قرب یہ سب عمل سے ہو گا کوئی خالی محبت میں مغرور نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لے کہ ہم بلا عمل نہیں مل سکتے اور ان کی تو بڑی شان ہے کبھی کسی کو دنیا میں بھی کوئی محبوب بلا عمل ملا ہے ذرا سا طبیعت کا لگاؤ کسی سے ہو جاتا ہے تو اسکی کتنی نازبرداریاں کرنی پڑتی ہے اور کتنی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں روپیہ مٹی کر دیا جاتا ہے جان خاک میں مل جاتی ہے مدتوں حیران رہنا پڑتا ہے نہ دن کو چین نہ رات کو نیند مال دولت سب برباد ہو جاتا ہے تب کہیں منہ لگاتے ہیں عاشق کی جو گت بنتی ہے دنیا جہاں کو معلوم ہے کچھ شرح کی ضرورت

نہیں عشق کا نام آنا تھا اور جان اور مال سے ہلاک اور برباد ہونا۔ جب دنیا کا ادنیٰ سا محبوب لڑکا یا عورت بھی بلا محنت نہیں ملتی تو حیرت کی بات ہے کہ خدا کی نسبت یوں خیال رکھا جائے کہ بلا محنت مل سکتا ہے عمل اس محنت ہی کو تو کہتے ہیں۔

محبوب حقیقی اور محبوبان مجازی میں فرق

اور سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی تلاش میں کچھ بھی محنتیں نہیں رکھیں وہ طریقے بتلائے ہیں جن کو اگر ان مشقتوں کے ساتھ موازنہ کرکے دیکھا جائے جو ادنیٰ سے ادنیٰ اور گندہ سے ایک دنیاوی محبوب کے لئے کرنی پڑتی ہیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی مشقت نہیں ہے دنیا کا محبوب بھی مانگتا ہے اور اس کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں کرتا نہ کوئی نصاب ہے نہ کوئی وقت ہے جسکا مطلب یہی ہے کہ سارا ہی روپیہ چاہئے اور جان بھی مانگتا ہے اس کے لئے بھی کوئی قاعدہ یا کوئی وقت مقرر نہیں اسکا بھی مطلب یہی ہوا کہ جان بھی بلا عذر ہمارے اوپر قربان کردو خواہ تمہارا کوئی کام دنیا یا دین کا بگڑتے یا بنے ہمکو اس سے

بحث نہیں اس کے مقابلہ میں محبوب حقیقی کو دیکھئے کہ روپیہ بھی مانگتے ہیں تو کتنا چالیس میں سے ایک اور پھر اس کے لئے بھی شرائط ہیں مثلاً حولان حول یعنی سال بھر گذر جائے تب چالیس میں سے ایک دینا ہوتا ہے۔ اور مثلاً نصاب یعنی مقدار خاص مال کی بھی جیسے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا چنانچہ جسکے پاس اتنی مقدار نہ ہو اس کو ذرا بھی نہیں چھیڑتے یعنی اس پر بلا اس مطالبہ کے ہی عنایت فرماتے ہیں۔ اگر مقدار بھی ہو اور سال بھی گذر چکا ہو لیکن قرض اس کے ذمہ ہو تب بھی اس سے مطالبہ نہیں کرتے یہ تو مالی مطالبہ کی کیفیت ہے اب جانی مطالبہ کو لیجئے اس میں بھی کوئی کام ایسا نہیں ڈالتے جسمیں ناقابل تحمل مشقت ہو مثلاً پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اس کے بھی قواعد اور شرائط ایسے نرم ہیں جنکی نظیر ادنیٰ سے ادنیٰ حاکم کے یہاں بھی نہیں پائی جاتی اور محبوبوں کا برتاؤ تو الگ رہا۔ مثلاً نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم ہے اگر نہ ہو سکے بیٹھ کر پڑھ لو اگر بیٹھ کر بھی نہ ہو سکے لیٹ کر پڑھ لو وضو نہ

ہو سکے تو ایک بہت آسان بدل اسکا تیمم مقرر کر دیا ہے۔ سفر میں دو ہی رکعت پڑھ لو غرض تمام جانی اعمال کو اور مالی اعمال کو ان اعمال سے موازنہ کر کے دیکھو جنکا مطالبہ محبوبان دنیا کرتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کے مطالبات عشر عشیر بھی نہیں حالانکہ اگر اسکے برعکس ہوتا یعنی حق تعالیٰ کے مطالبات عشاق سے بہ نسبت مطالبات محبوبان دنیا کے دس حصے اور بیس حصے بھی زیادہ ہوتے تو حق تھا لیکن یہ رحمت اور رافت ہی تو ہے کہ اپنے بندوں کو دق کرنا نہیں چاہتے بلکہ برائے نام حیلہ رکھ کر کچھ دینا اور کرم کرنا چاہتے ہیں مگر ہم کو بھی تو کچھ کرم کا شکر کرنا چاہیے اسکی قدر ہمکو یہ کرنا چاہئے تھی کہ دل و جان سے فدا ہو جاتے۔ اور اس سے زیادہ کر کے دکھاتے جو محبوبان دنیا کے ساتھ کرتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوی گشتن بہر او اولیٰ بود

(ترجمہ) مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہے، اس کے واسطے گیند بنجانا زیادہ لائق ہے۔

عشاق نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائی ہیں مجنوں کا قصہ سنا ہوگا کہ ایک دفعہ لیلیٰ کے گھر کی طرف چلے اونٹنی پر سوار ہوئے اونٹنی کے بچہ بھی تھا وہ اونٹنی چلتی

اور بار بار پیچھے کو دیکھتی اور ذرا باگ سست دیکھتی تو پیچھے کو لوٹ پڑتی جب مجنوں کو کچھ افاقہ ہوتا تو پھر آگے کو چلاتا مگر اس طرح چلنے سے راستہ کچھ بھی قطع نہ ہوا آخر سمجھا کہ بچہ کی محبت اسکو روک رہی ہے تو کہتا ہے

شعر

ھوناقتی خلفی وقدامی الھوی فانی وایاھا لمختلفان ،

(ترجمہ) میری اونٹنی کا محبوب میرے پیچھے ہے اور میرے آگے میرا محبوب ہے تو وہ اور میں (اپنے مطلوب) میں مختلف ہیں ،

یعنی میری اونٹنی کا محبوب پیچھے ہے اور میرا محبوب آگے ہے میں آگے جانا چاہتا ہوں اور وہ پیچھے جانا چاہتی ہے۔ میرے اور اس کے ارادہ میں ضدین کا تقابل ہے یہ ساتھ نبھ نہیں سکتا لہذا چھوڑ دو اسے۔ اب چھوڑنے کی ترکیب یہ بھی تھی کہ اونٹنی کو بٹھا کر اتر کر اسکو چھوڑ کر پیادہ چل دیتا مگر عشق میں اتنا صبر کہاں بس فوراً دھڑام سے اوپر سے گر پڑا (عاشق کو فرصت مصالح کے سوچنے کی کہاں ہوتی ہے) تمام بدن چھت گیا اور خونا خون ہوگیا سر پھوٹ گیا ہاتھ پیر زخمی ہوگئے۔ اب اٹھ نہیں سکتا جس غرض کے لئے کودا تھا کہ لیلی کی طرف جلدی سے چل دے وہ بھی حاصل نہ ہوئی تو

پڑے پڑے کہتا ہے کہ پیروں سے نہیں چل سکتا تو لڑھک کر تو چل سکتا ہوں، بس لڑھکنا شروع کیا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہو سکتا ہے۔ اسکے واسطے گیند بنجانا زیادہ بہتر ہے۔

یہ محنتیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں عشاق نے۔ جب یہاں کا ایک معشوق بلا محنت نہیں ملتا تو اللہ کیسے مل جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل نکرو محض یہ خیال دل میں جما کر فرصت سے بیٹھے رہو کہ ہمکو اللہ سے محبت ہے بس کمال بھی ہو گیا اور وصال بھی ہو گیا اور بھی کچھ ہو گیا۔ حضرت بڑی محنتیں اور بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ ایک عاشق کہتا ہے۔ ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ترجمہ) صوفی (کدورات باطنیہ) سے صاف نہ ہوگا جبتک کہ جام کشی (مجاہدات) نہ کرے، بہت سفر چاہئیں یہاں تک کچھ خامی رفع ہو گی۔

اور بے عمل تو کیا ہوتا عاشق تو عمل کر کے بھی چین نہیں پاتا اس کو تو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ خدا جانے یہ

عمل میرا محبوب کی نظر میں آیا یا نہیں اسکو تو ادھر بیم و رجا میں ہر وقت موت اور زندگی کا مزا آتا ہے

ہ

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(ترجمہ) خنجر تسلیم کے مقتولوں کو ہر وقت غیب سے ایک نئی جان عطا ہوتی ہے ہر وقت مرنا ہے اور ہر وقت جینا ہے۔ فارغ کسی وقت نہیں بیٹھ سکتا اس کا تو یہ شغل رہتا ہے

ہ

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

اس راہ میں تراش و خراش (نگرانی نفس) کرتے رہو آخری سانس تک گھڑی بھر فارغ ہو کر مت بیٹھو۔ آخری سانس تک انجام کار کوئی گھڑی ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تجھ پر ہو جائے گی۔

بھلا محبت اور چین استغفر اللہ وظیفے گھونٹ کر عاشق کہاں چین	**محبت میں چین کہاں**

پاتا جان و مال کھپا کر بھی اسکو چین نہیں آتا اس کے وظیفے تو یہ ہیں

ہ

افروختن و سوختن و جامہ دریدن پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت

(ترجمہ) جلانا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا پروانہ نے مجھ سے اور شمع مجھ سے اور پھول نے مجھ سے سیکھا۔

عاشق یہ وظیفہ گھونٹتا ہے اور ایسے گھونٹتا ہے کہ دوسرا کوئی گھونٹ نہیں سکتا ساری اس میں اسی کی شاگردی ہے جو کوئی بھی ان اشغال میں دم بھرتا ہے تو اسی کی نقل کرتا ہے ان محنتوں سے آدمی محب کہا جا سکتا ہے نہ کہ بلا عمل صرف خیال باندھ لینے سے اسی کو فرمایا ہے بما کانوا یعملون اب اس غلطی کا پورا دفعیہ ہو گیا کہ بوالہوسی میں اکثر محبت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں اور عمل کی ضرورت کا انکار یا عمل کے اہتمام میں تساہل کرتے ہیں۔ صاف فرمادیا کہ یہ سب نتائج ہیں عمل کے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ اس روز اسلام کامل کی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ آج اسلام کامل کے ثمرات کا بیان ہوا۔ اسلام کامل کی حقیقت کو پھر اس وقت مختصراً اعادہ کئے دیتا ہوں۔ تاکہ اس کے حاصل کرنے میں سہولت ہو اور اس پر یہ ثمرات مترتب ہوں جو آج بیان ہوئے اسلام کامل کا خلاصہ انقیاد ہے یعنی سپرد کر دینا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے تکوینی احکام اور حوادث میں بھی اور تشریعی احکام اور اعمال میں بھی اور سپرد کر دینے

کے معنی یہ ہیں کہ ان سب باتوں میں یہ پیش نظر رکھے کہ کوئی
بات حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مجھ سے نہ ہونے پائے
تکوینی احکام میں تو اس طرح کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے
اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور ہر حال میں راضی
رہے اور حق تعالیٰ کو راضی رکھے کہ نہ خوشی میں کوئی کام
حق تعالیٰ کے خلاف کرے نہ رنج میں۔ بس اپنے آپ کو بندہ
سمجھے جس طرف کو وہ چلائیں اس طرف کو چلے۔ حق تعالیٰ کو اپنی
جان میں مال میں ہر قسم کے تصرفات کا مختار سمجھے۔ اور
تشریعی احکام میں اسطرح کہ شریعت کو ہر وقت پیش نظر
رکھے ہوائے نفسانی اور اغراض کو امام نہ بنادے بلکہ شریعت
کو امام بنادے خواہ وہ حکم اپنے طبیعت کے موافق ہو یا
مخالف کسی قسم کی تاویل و تحریف و قطع و برید نہ کرے جس
طرف شریعت چلاوے اس طرف چلے۔ اور دین کے تمام
اجزا کو کامل کرے صرف نماز پڑھ لینے اور روزہ
رکھنے سے دین کا کمال نہیں ہوتا دین کے اجزا پانچ
ہیں عقائد عبادات معاملات معاشرات اخلاق ان سب
کی تکمیل کر لینے سے کہا جائے گا کہ اسلام کامل ہوا اور ان سب
کی تکمیل کے لیے کچھ محنت بھی اٹھائیے نرے وعظ سننے اور تبرات
کی تمنا کرنے سے کچھ نہیں ایک شاعر کہتا ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بتمنا گریستن

(ترجمہ) عرفی اگر رونے سے وصال (محبوب) میسر ہو جاتا تو سو سال تمنائے دوست میں رو سکتا ہوں۔

اگر آدمی کھانا نہ پکائے فقط کھانوں کا تصور دل میں کرتا رہے اور مزے لیتا رہے تو اس سے پیٹ نہیں بھر سکتا

ضرورت علم

نیز ان اجزا کی تکمیل کے لئے ضرورت ہوگی علم کی اسکو بھی حاصل کیجئے اور اس کے یہ معنے نہیں کہ سب باقاعدہ مولوی بن جائیں بلکہ علم کے معنے ہیں جاننا۔ اجزاء دین کو معلوم کر لیجئے جس سے جس طرح ہو سکے جسکو فرصت ہو باقاعدہ مولوی بنے اور جو باقاعدہ مولوی نہ بن سکے تو اردو فارسی کی کتابوں ہی سے دین کی واقفیت پیدا کرے۔ اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو مولویوں کے پاس نشست برخاست رکھے جو کام کرے ان سے پوچھ کر کرے اگر کوئی مولوی کسی اسطرح کا قریب میں نہ ہو تو آجکل تو ڈاک کا راستہ کہلا ہوا ہے دو چار پیسے میں جو چاہو معلوم کر لو یہ بھی ایک طریقہ ہے علم حاصل کرنے کا۔ غرض غافل نہ ہو ہر وقت خیال رکھو

کہ کوئی بات حق تعالٰی کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور مسئلے مسائل کا بھی مشغلہ رکھو جہاں اور بہت سے کام ہیں ایک یہ کام بھی اپنے ذمہ سمجھو اور اسکے واسطے کچھ اپنا حرج اور مشقت بھی گوارا کرو نری تمناؤں پر اکتفاء نکرو حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔

لو کان ھذا العلم یُدرك بالمنیٰ
ما کان یبقیٰ فی البریۃ جاھلُ
فاجھد ولا تکسل ولا تك غافلا
فندامۃ العقبیٰ لمن یتکاسل

یعنی اگر یہ علم نری تمناؤں سے حاصل ہو جایا کرتا تو دنیا میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا کوشش کرو اور سستی مت کرو اور غافل مت رہو کیونکہ آخرت کی ندامت اسی شخص کو ہوگی جو سستی کرے گا۔ اگر محض تمنا سے کچھ ہو جایا کرتا تو ساری دنیا کامل ہو جاتی اور اسکے ساتھ دو چیز کی اور ضرورت ہے بیداری اور ہمت یعنی ہر وقت ہوشیار بھی رہو کہ تمہارے پیچھے نفس وشیطان بڑے دشمن لگے ہوئے ہیں ان سے دھوکا مت کھانا جو کام کرو ان کے کہنے کے موافق مت کرنا حق تعالٰی کے کہنے کے موافق کرنا یہ تو بیداری ہے اور احکام الٰہی

کی پابندی میں طبیعت سستی کرے تو بتکلف کام لو یہ ہمت ہے ہر وقت اسی میں رہو تب بھی محبوب مل جاوے تو نعمت ہے۔ اسلام کامل کا تو یہ حاصل ہوا، اور ثمرات کا بیان آپ نے آج سن ہی لیا پس اسلام کامل حاصل کیجئے حق تعالیٰ اس پر ثمرات ضرور مترتب فرماویں گے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم اور ہمت عطا فرماویں۔

(دعا)

بحمد اللہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات وصلے اللہ تعالیٰ علی سید الکائنات صلوٰۃ تسبق الغایات

جب کبھی آپ کو دینی، درسی، اور قرآن مجید مترجم وغیر مترجم کی ضرورت ہو تو درج ذیل پتہ سے طلب فرمائیں،

ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند یوپی